قرآنی نظام ربوبیت کا پیامبر

طلوعِ اسلام

ماہنامہ ـــــ لاہور

قیمت فی پرچہ	ٹیلیفون :- ۸۸۰۸۰۰	بدل اشتراک
۴	خط و کتابت	سالانہ
چار روپے	ناظم ادارہ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ) ۲۵-بی گلبرگ ۲ لاہور	پاکستان -/۴۸ روپے غیر ممالک /۹۸ روپے
شمارہ-۵	مئی ۱۹۸۶ء	جلد ۳۹

فہرست

۱۔ لمعات ۔ (رسول صلعم کی تعلیمات سرمایہ داری نظام کو جڑ و بنیاد سے اکھیڑ سکتی ہیں) ۲

۲۔ باباجی کی پہلی برسی کے موقع پر تعارفی تقریر ۔ (ثریا عندلیب) ـــــ ۸

۳۔ باباجیؒ کے یاد ہیں ! (ڈاکٹر صلاح الدین اکبر) ـــــ ۱۳

۴۔ اقبالؒ کے تصورات (زندگی کے اہم مسائل کے متعلق) ـــــ ۱۷

۵۔ پرویز صاحبؒ کو ایک بیٹی کا خراجِ عقیدت (مس شمیم انور) ـــــ ۲۶

۶۔ عائلی قوانین کے خلاف علماء کو استعمال کرنے کی عیارانہ کوشش (محمد ارمغان) ـــــ ۳۳

۷۔ شریعت اسلامی اور آنکھوں کی پیوند کاری ـــــ ۳۷

۸۔ اقبالؒ نے کہا ـــــ (مرتبہ ثریا عندلیب صاحبہ) ـــــ ۴۱

۹۔ حقائق و عبر ! (۱) ادارہ تحقیقات اسلامی (۲) گھوڑ دوڑ پہ جوا اور عائلی قوانین (۳) استحکام پاکستان کانفرنس (۴) مودودی صاحب کا اسلامی دستور بنانے سے انکار (۵) مودودی صاحب کا فتویٰ (۶) خواتین اور ڈاکٹر اسرار احمد صاحب ۴۷

۱۰۔ نقد و نظر ؛ تفسیر منسوخ القرآن (محترم رحمت اللہ طارق) (۲) فقہ القرآن (مولانا عمر احمد عثمانی) ۵۲

۱۱۔ کھلا خط (معزز اراکین سینیٹ کے نام) (غلام مصطفےٰ اعوان ایڈووکیٹ ایبٹ آباد) ۵۷

ایڈیٹر طبع خلیل، ناشر شیخ عبدالحمید، مقام اشاعت: ۲۵-بی گلبرگ ۲، لاہور ...

لمعات

مورخہ ۲ اپریل سنہ ۱۹۸۶ء کو قومی اخبارات میں جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی جانب سے ایک لمبے چوڑے اشتہار کی عبارت نظر سے گزری۔ اس اشتہار کے ذریعے، یہ اعلان کیا گیا تھا کہ ڈاکٹر صاحب موصوف جمعہ ۴ اپریل کو مسجد دارالسلام باغِ جناح لاہور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انقلابی طریقِ عمل کی تفصیلات پیش کریں گے۔ ہمارے لئے ان کا یہ اعلان ایک حیرت انگیز تبدیلی کی حیثیت رکھتا تھا، کیونکہ اس سے پہلے وہ عام طور پر اپنے جس عقیدے کی تشہیر کرتے رہتے تھے، وہ یہ تھا کہ ابھی تک منصبِ رسالت کی تکمیل ہی نہیں ہوئی۔ یعنی نعوذ باللہ رسول اللہ صلی اللہ صلعم اپنا کام نامکمل چھوڑ گئے ہیں، جس کی تکمیل اب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کریں گے۔

اس سلسلے میں ان کی جو تحریریں سامنے آئیں، ان میں سے روزنامہ نوائے وقت لاہور کی ۱۹ جنوری سنہ ۱۹۸۱ء کی اشاعت میں شائع ہونے والا ایک مضمون بھی تھا، جس کا عنوان تھا:۔

"منصبِ رسالت اور امت کی ذمہ داریاں"

اپنے اس مضمون میں ڈاکٹر صاحب نے یہ نقطۂ نظر پیش کیا تھا کہ ابھی تک نبی اکرم صلعم کا مقصدِ رسالت و بعثت شرمندۂ تکمیل ہے اور اب کارِ رسالت کی انجام دہی کی ذمہ داری اُمتِ مسلمہ پر ہے اور اس کے ساتھ ہی یہ تاثر دیا کہ اب وہ اس اہم کام کی تکمیل میں لگے ہوئے ہیں کیونکہ اس عالمِ اسباب میں اور عالمِ تشریعی میں، دینِ حق کے غلبے کی جدوجہد، انسانوں ہی کو کرنی ہے جن کو خلیفۃ اللہ فی الارض کے شرف سے نوازا گیا۔

(روزنامہ نوائے وقت لاہور بابت ۱۹ جنوری ۱۹۸۱، آخری صفحہ، عید میلاد النبی نمبر)

خیال رہے کہ ہمارے ہاں یہ عقیدہ کہ منصبِ نبوت ابھی تک تشنۂ تکمیل ہے، مرزا غلام احمد قادیانی آنجہانی نے پیش کیا تھا۔ اور اسی کی بناء پر اس نے نبوت کا جھوٹا دعوےٰ کیا تھا، جس کی بناء پر اسے خارج از اسلام سمجھ کر مرتد قرار دے دیا گیا تھا۔ لیکن حیرت کی بات ہے کہ علماء میں سے کسی نے ڈاکٹر صاحب کے اس کفریہ دعوے کا نوٹس تک نہ لیا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ منصبِ رسالت کی عدمِ تکمیل کے بارے میں انہیں جو غلط فہمی پیدا ہوئی، وہ

خلیفہ کے غلط معنی کا نتیجہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کہیں یہ نہیں فرمایا کہ انسان اس زمین پہ اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے، جیسا کہ ڈاکٹر صاحب نے اپنے کفر یہ عقیدہ کی تائید میں کہا ہے۔ خلیفہ کے معنی کے بارے میں بھی ہمارے ہاں یہ غلط مفہوم اس لئے مشہور ہوگیا ہے کہ ڈاکٹر اسرار صاحب جیسے نیم تعلیم یافتہ علماء کو عربی زبان کا صحیح ذوق نہیں ہے۔ اگر ذوق نہ بھی ہو تو انسان قدیم عربی کتابوں کے اردو تراجم پڑھ کر ہی اپنی غلطیاں درست کر سکتا ہے۔ لیکن یہ پڑھنے والی بات ہمارے مزاج کے خلاف ہے۔

علامہ الماوردیؒ نے اپنی مشہور کتاب میں اُمتِ مسلمہ کے تمام عظیم علماء کا یہ فتویٰ نقل کیا ہے کہ جو شخص بھی یہ عقیدہ رکھے کہ انسان اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے، اس کے فاسق و فاجر ہونے پہ اُمتِ مسلمہ کے تمام علماء کا اتفاق ہے۔

(احکام السلطانیہ ص۱۴، ۱۵)

امام ابن تیمیہ نے تو ایسا عقیدہ رکھنے والے کو خالص مشرک قرار دیا ہے، جو قرآن مجید کی تعلیمات کی رُو سے کفر سے بھی زیادہ بڑا جُرم ہے۔

(الفتاوی الکبریٰ۔ جلد دوم ص۵۵۳)

اگر ڈاکٹر صاحب کو نہ تو عربی زبان کا ذوق تھا اور نہ ہی انہوں نے اسلامی علوم کی معتبر کتابوں کا مطالعہ کیا تھا، تو کم از کم ایک لمحہ کے لئے بھی اپنے ذہن پہ زور دے کر سوچ لیتے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات جو ہر جگہ موجود ہے، انسان اس کا خلیفہ کیسے ہو سکتا ہے! خلیفہ تو اس کا ہوتا ہے۔ جو نظروں سے غائب ہو یا فوت ہو جائے، جیسے حضرت ابوبکرؓ رسول اللہ صلعم کے خلیفہ تھے۔ اب اگر ڈاکٹر صاحب کے غلط نظریے کو مان لیا جائے تو اس وقت دنیا میں اللہ تعالیٰ کے پانچ ارب خلیفے ماننے پڑیں گے جن میں کمیونسٹ بھی شامل ہیں، ملحد بھی شامل ہیں اور مشرک بھی وغیرہ وغیرہ۔

ہم نے اسی وقت ڈاکٹر صاحب کے اس غلط نظریے کی طرف ان کی توجہ دلائی تھی، لیکن معلوم نہیں انہوں نے اس سے رجوع کیا تھا یا نہیں، لیکن اب جو ان کا اشتہار وسیع پیمانے پر شائع ہوا تو اس سے اندازہ ہوا کہ شائد وہ اپنے اس غلط عقیدے سے رجوع فرما چکے ہیں۔ اور اب وہ نہ صرف یہ کہ منصبِ نبوت کو مکمل سمجھتے ہیں بلکہ اسے انقلابی بھی قرار دیتے ہیں۔

انہوں نے اپنے ۴ اپریل کے جمعہ کے خطبے کی جس طرح وسیع پیمانے پہ پبلسٹی کی، اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ کوئی تاریخی اعلان کرنے والے ہیں۔ ان کے اہتمام کا اندازہ اس سے ہوا کہ اس ماہ طلوعِ اسلام نے بھی ایک اخبار میں صرف دو انچ کا اشتہار چھپوایا، اس کا جو معاوضہ ہمیں ادا کرنا پڑا، اس شرح سے ڈاکٹر صاحب کے صرف ۲ اپریل کے اخبارات میں شائع

ہونے والے اشتہارات کی رقم پورے چھبیس ہزار بنتی ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے لاہور شہر کی ہر گلی و کوچے میں بڑے بڑے اشتہارات لگوانے کا انتظام کیا اور اندازہ ہے کہ ان کا خرچ بھی، اخبارات والے اشتہارات سے کسی طرح کم نہ ہوگا۔ یعنی انہوں نے اپنے ایک خطبے کے اعلان پر چالیس پچاس ہزار روپے خرچ کر ڈالے، تو ظاہر ہے کہ یہ خطبہ کوئی اہم نوعیت کا ہوگا۔ لیکن جب ہم نے ان سے اس تاریخی اعلان، کی تفصیلات سنیں تو سر پیٹ کر رہ گئے۔ کیونکہ ڈاکٹر صاحب نے رسول اللہ صلعم کی جس انقلابی تعلیم کی طرف اشارہ کیا، اس کا انقلابی ہونا تو کجا، اس کا ہمارے خیال کے مطابق اسلام سے بھی کوئی تعلق نہ تھا۔ ڈاکٹر صاحب پر ان دنوں، عائلی قوانین مجریہ ۱۹۶۱ء کی مخالفت کا بھوت سوار ہے، وہ شاید ان کی مخالفت کو رسول اللہ کی انقلابی تعلیم سمجھتے ہیں۔ ان کا خاص زور اس امر پر ہے کہ تعدّد ازواج پر عائلی قوانین میں جو پابندی لگائی گئی ہے۔ وہ انسانی فطرت کے بھی خلاف ہے اور وہ ڈاکٹری اصولوں کے مطابق ایک مرد کے لئے چار بیویوں کا پرچار کر رہے ہیں۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے اپنے مذکورہ بالا خطبہ جمعہ کی پبلسٹی کا یہ سارا اہتمام، علماء میں اپنا قد کاٹھ بڑھانے کے لئے کیا تھا۔ کیونکہ انہوں نے اپنے اس خطبے میں رسول اللہ صلعم کی انقلابی تعلیمات کا ذکر تو کجا، ان کی طرف اشارہ تک نہ کیا۔ رسول اللہ صلعم کی انقلابی تعلیمات سے ہمارے معاشرے کی کایا پلٹ سکتی ہے، کیونکہ یہ تعلیمات سرمایہ داری نظام کو جڑ و بنیاد سے اکھیڑ دیتی ہے اور اس کے استحصالی عمل کو ختم کر کے، انسانی معاشرے کی بنیاد اسلامی تعلیمات پر رکھتی ہیں۔ ہمیں یہ یقین تھا کہ ڈاکٹر صاحب رسول اللہ کی ان تعلیمات کا کبھی بھی ذکر نہ کریں گے، کیونکہ پھر ان کے ایسے بیان کے بعد، انہیں اپنے جمعہ کے ایک خطبے کی پبلسٹی کے لئے کون چالیس چالیس پچاس پچاس ہزار روپے دے گا؟ رسول اللہ صلعم کی انقلابی تعلیمات کا بیان تو کجا، وہ نوان عورتوں کے طنز کو بھی خاموشی سے پی گئے، جنہوں نے ان کے خلاف مظاہرہ کیا تھا۔ اس مظاہرے میں ان عورتوں نے الزام لگایا تھا کہ ڈاکٹر صاحب اور دوسرے مولوی حضرات، عورتوں کے پیچھے اس طرح لگے ہوئے ہیں کہ شاید قرآنِ مجید عورتوں کو ٹھیک کرنے، کے لئے نازل ہوا تھا۔ اس سلسلے میں انہوں نے گھوڑ دوڑ پر جوئے کے کاروبار کا خاص طور پر ذکر کیا، کہ جس کی وجہ سے ہزاروں بلکہ لاکھوں خاندان برباد ہو رہے ہیں لیکن مولوی حضرات بشمول ڈاکٹر صاحب نے ان کے خلاف کبھی ایک لفظ تک اپنے منہ سے نہیں نکالا۔ شاید اس وجہ سے کہ وہ بڑے بڑے زمینداروں اور سرمایہ داروں کا مشغلہ ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے تو رسول اللہ کی انقلابی تعلیمات کا نام نہیں لیا، معلوم نہیں اس کی کیا وجوہات تھیں، تاہم ان کی رہنمائی کے لئے ہم ان تعلیمات کو ان کی خدمت میں پیش کرتے ہیں، جو طلوعِ اسلام میں متعدد بار شائع ہو چکی ہیں۔

آپؐ کے دور میں سرمایہ داری نظام کی بنیاد، اراضی کی ملکیت پر استوار تھی۔ لیکن آپؐ نے زمین کی خرید و فروخت کو شرعاً ناجائز قرار دے دیا، اور مسلمانوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے زمین کی خرید و فروخت سے منع فرما دیا۔ صحیح روایات میں آیا ہے۔ کہ جب قرآنِ مجید میں سود کی حرمت کے احکامات نازل ہوئے، تو آپ سودی معاملات کی تفصیلات معلوم کرنے کے لئے کھیتوں اور منڈیوں میں تشریف لے گئے۔

(تفسیر مواہب الرحمٰن جلد سوم صـ۱۱۱)

آپؐ نے ایک کھیت میں ایک صحابی، حضرت رافع بن خدیج کو، کھیت کو پانی دیتے ہوئے پایا، تو ان سے اس معاملے کی تفصیلات پوچھیں، انہوں نے جواباً عرض کیا کہ یہ زمین فلاں شخص کی ہے اور یہ کہ وہ اس پہ کاشت کر رہے ہیں، جب فصل ہو گی تو آدھی وہ لے لیں گے اور آدھی مالکِ زمین کے حوالے کر دی جائے گی۔ آپؐ نے فرمایا کہ یہ تو سودی معاملہ ہے، اسے فوراً ختم کر کے، زمین مالک کے حوالے کر دو اور اس سے اپنی محنت کا معاوضہ لے لو۔

(سنن ابوداؤد۔ جلد سوم صفحہ ۳۵۵)

جب دوسرے صحابہؓ کو معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلعم نے زمین میں بٹائی کے اصول پہ کاشت کو سود قرار دے کر حرام قرار دے دیا ہے، تو انہوں نے حضرت جابرؓ بن عبد اللہ کو اس بارے میں تصدیق کرانے کے لئے بھیجا۔ تو آپؐ نے ان کے سامنے بھی یہ واضح کر دیا کہ واقعی یہ معاملہ سود ہے اور جو اسے چھوڑنے پر تیار نہیں وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے خلاف لڑائی کرنے پر تیار ہو جائے۔ (ایضاً)

عرب میں مدینہ منورہ کا علاقہ زرعی تھا، اور کئی صحابہؓ کے پاس اپنی کاشت سے زیادہ زمینیں تھیں، اس حکم کی روشنی میں وہ اپنی ضرورت سے زائد اراضی کو اپنے پاس نہیں رکھ سکتے تھے، چنانچہ انہوں نے اپنی زائد اراضی کو فروخت کرنے کا فیصلہ کیا۔ لیکن جب اس بارے میں رسول اللہ صلعم سے دریافت کیا گیا تو آپ نے اس کے فروخت کرنے کی اجازت نہ دی بلکہ فرمایا کہ اپنی ضرورت سے زائد اراضی کو اپنے ضرورتمند بھائیوں کو مفت دے دو۔ اراضی مفت دینی ذرا مشکل کام تھا۔ اس لئے انہوں نے بار بار اس بارے میں دریافت کیا کہ شاید آپؐ انہیں اراضی فروخت کرنے کی اجازت دے دیں لیکن آپؐ نے ان کے بار بار کے سوال کرنے پہ ناراضگی کا اظہار کیا اور کسی صورت میں بھی زائد اراضی کو فروخت کرنے کی اجازت نہ دی۔

(بحوالہ نیل الاوطار تالیف علامہ شوکانی جلد ۵ صـ۲۹۵)

یہ تو عشری اراضی کی حیثیت، بعد میں حضرت عمرؓ کے زمانے میں دوسرے ممالک فتح ہوئے تو آپ نے صحابہ کرام کے مشورے سے ان تمام مفتوحہ ممالک کی زمین کو اسلامی

بیت المال کی ملکیت قرار دے دیا۔ جن کی خرید و فروخت قطعاً ناجائز دے دی گئی۔ زمین کی خرید و فروخت کے ذریعے رسول اللہ صلعم کی انقلابی تعلیم کی جو شکل بگاڑی جا رہی ہے، تو ڈاکٹر صاحب اگر وہ اپنے اعلان میں مخلص ہیں، تو اس کے خلاف انہیں آواز اٹھانی چاہیئے۔

رسول اللہ صلعم کی زمین کے بارے میں یہ انقلابی تعلیم قرآن میں نازل ہونے والے حرمتِ سود کے حکم کی عملی تشریح تھی۔ آج دنیا کے تمام ماہرینِ معاشیات یک زبان ہو کر کہہ رہے ہیں کہ سود ہی دنیا میں کمزور انسانوں کے استحصال کا سب سے ظالمانہ طریقہ ہے، اس لئے تو قرآنِ مجید نے اسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کے خلاف اعلانِ جنگ قرار دیا ہے۔ اس بارے میں قرآنِ مجید کی سورۃ بقرہ کی آیات ۲۷۸ اور ۲۷۹ کا ترجمہ مفہوم القرآن جلد اوّل سے قارئین کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے:۔

"لہٰذا اے جماعتِ مومنین، تم قوانینِ خداوندی کی نگہداشت کرو اور ربوٰا میں سے جو کچھ کسی کے ذمے باقی رہ گیا ہے، اسے معاف کر دو۔ تمہارے ایمان کا یہی تقاضا ہے۔ اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو یاد رکھو! تمہاری اس روش کو نظامِ خداوندی کے خلاف اعلانِ جنگ سمجھا جائے گا۔ (اس لئے کہ دینِ خداوندی، نظامِ سرمایہ داری کا کھلا ہوا دشمن ہے اور ان دونوں میں کبھی مفاہمت نہیں ہو سکتی) اگر تم اس روش سے باز آ جاؤ تو تم اپنا اصل زر واپس لے سکتے ہو تاکہ نہ تم پر کوئی زیادتی ہو نہ مقروض پر۔"

(مفہوم القرآن جلد اوّل از علامہ پرویز صاحب ص ۱۱۱)

حضرت عمرؓ نے تو اس بارے میں یہاں تک احتیاط برتنے کا حکم دیا تھا۔ کہ جس معاملے میں سود کا تھوڑا سا شائبہ بھی ہو اُسے بھی ترک کر دو۔ لیکن آج سود کی مختلف صورتوں کو خالص اسلامی بنا کر پیش کیا جا رہا ہے۔ اور ڈاکٹر صاحب اور ان کے ہمنوا، ان کے خلاف ایک لفظ تک زبان سے نہیں نکالتے۔

رسول اللہ صلعم ایک سادہ سے مکان میں رہائش رکھتے تھے اور صحابہؓ کرام سے بھی یہی توقع کرتے تھے کہ ان کی بود و باش سادہ ہو۔ ایک دفعہ جب ایک صحابیؓ نے اپنی حلال کی کمائی سے اپنے مکان کی دوسری منزل تعمیر کر لی۔ تو آپؐ نے اس پر سخت ناراضگی کا اظہار کیا اور فرمایا کہ تم اپنے ساتھیوں پر فوقیت حاصل کرنا چاہتے ہو۔ آپؐ نے اس صحابی کا سوشل بائیکاٹ کر دیا۔ وہ صحابی اپنے اس فعل پر اتنے نادم ہوئے کہ جا کر فوراً اس زائد تعمیر کو گرا دیا اور حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر معافی کے خواستگار ہوئے۔ اس پر آپؐ نے عام مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ خبردار! تم میں سے کوئی بھی، اپنی ضرورت سے ایک انچ زیادہ مکان بھی تعمیر نہ کرے وگرنہ قیامت کے دن، وہ اس کی گردن پر لاد دیا جائے گا۔

(سنن ابو داؤد جلد چہارم ص ۴۸۷)

ڈاکٹر صاحب، رسول اللہ صلعم کی اس انقلابی تعلیم کا ذکر کیسے کر سکتے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے یہ خطبہ امراء کے علاقے کی مسجد میں دینا تھا، جس میں خطبہ سننے والوں کی اکثریت بڑی بڑی کوٹھیوں میں رہائش پذیر ہے۔

رسول اللہ صلعم کی ان انقلابی تعلیمات پر عمل کرنے سے ہمارے معاشرے کی کایا پلٹ سکتی ہے" لیکن ان سے ملک کے بڑے بڑے زمینداروں اور سرمایہ داروں کے مفاد پر کاری ضرب بھی پڑتی ہے۔ یہی لوگ تو ہیں جو اسلامی نظام کے نفاذ کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ بنے ہوئے ہیں۔ کیونکہ اسلامی نظام کے نفاذ سے ان کا وجود ختم ہو جائے گا۔ اس لئے ان لوگوں نے پوری طرح یہ انتظام کر لیا ہے، کہ بے شک اسلام اور رسول اللہ صلعم کی انقلابی تعلیمات کے بارے میں اونچے اونچے نعرے لگائے جائیں لیکن، رسول اللہ صلعم کی ان انقلابی تعلیمات کی تفصیلات عامۃ الناس کے سامنے پیش نہ کی جائیں۔

اوپر رسول اللہ صلعم کی جن انقلابی تعلیمات کا ذکر کیا گیا ہے، ان کی تفصیلات، صحیح احادیث سے پیش کی گئی ہیں۔ علامہ پرویز صاحب کہ جن کے بارے میں سرمایہ داری نظام کے علمبرداروں نے یہ مشہور کر رکھا ہے کہ وہ منکر حدیث تھے، ان صحیح احادیث کا بار بار اپنے خطبات اور مقالات میں ذکر فرماتے تھے۔ اور اس حقیقت پر طلوع اسلام کے صفحات گواہ ہیں۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ احادیث قرآن مجید کی تعلیمات کے عین مطابق ہیں۔ لیکن حیرت کی بات ہے کہ حدیث کے خودساختہ علمبردار، جو انہیں ہمیشہ منکر حدیث کے نام سے یاد کرتے تھے، کو یہ صحیح احادیث رسول نظر نہیں آتیں۔ اگر نظر آتی ہیں تو کسی مصلحت کی وجہ سے ان کا ذکر نہیں کرتے۔ جیسا کہ وہ ابھی حال ہی میں عورتوں کی جانب سے بھرپور طنز کے باوجود، انہوں نے گھوڑ دوڑ پر جوئے کے بارے میں خاموشی اختیار کر رکھی ہے۔ امید ہے کہ ڈاکٹر صاحب اس سلسلے میں اپنی ذات کے بارے میں پیدا ہو جانے والی غلط فہمی کی وضاحت فرمائیں گے۔ والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔

لاہور کے سامعین درس متوجہ ہوں

درس قرآن بذریعہ وی سی آر (V-C-R) ہر جمعہ کی صبح ۸½ بجے، ۲۵۔بی گلبرگ ۲ لاہور میں ہوتا ہے۔

ناظم ادارہ طلوع اسلام

بابا جی کی باتیں

(بابا جی کی پہلی برسی کے موقع پر تعارفی تقریر)

مفکرِ قرآن معلمِ مشفق جناب پرویز صاحب جنہیں ہم بابا جی کہتے تھے، کو اس جہانِ فانی سے رخصت ہوئے ایک سال ہوگیا۔ آج کا یہ اجتماع ان کی یاد میں ہو رہا ہے۔ جناب پرویز مرحوم اپنی حیاتِ ارضی میں جو بیش بہا کام سرانجام دے گئے اور جو سرمایۂ دین و دانش عالمِ انسانیت کے لئے چھوڑ گئے ہیں وہ ان کو ہمیشہ زندہ رکھے گا۔ ہم سب جانتے ہیں کہ پرویز علیہ الرحمۃ نے پچاس پچپن برس کی طویل مدت تک اپنی فکرِ قرآنی اور بصیرتِ فرقانی سے امتِ مسلمہ کی راہنمائی کی۔ وہ ساری عمر قرآن مبیں کے طالب علم رہ کر ابدی حقائق کے موتی چنتے رہے۔ انہوں نے ہمہ وقت اپنا تن من دھن اسی راہ مستقیم پر لگائے رکھا۔ انہوں نے قرآن کو محاورۂ عرب، تصریفِ آیات اور تدبر فی القرآن کے طریق سے خود سمجھا اور ان سب کو سمجھایا جو اس کتاب اللہ کو سمجھنے کی طلب رکھتے تھے۔ اس کے لئے اپنی بیسیوں تصانیف، خطابات اور مضامین کے علاوہ بابا جی یہاں لاہور میں قریب پچیس چھبیس برس تک درسِ قرآن دیتے رہے اور ہم سامعینِ درس جانتے ہیں کہ ان دروس نے کیسے حیات آفرین مفہوم قرآن سے ہمیں روشناس کرایا کہ جس نے ہمارے دلوں کی دنیا بدل ڈالی اور ہمارے ذہنوں پر جمی کائی چھٹ گئی۔ ہم جناب پرویز کا یہ احسانِ عظیم کبھی بھول نہیں سکتے جو انہوں نے قرآن کریم کی حقیقی تعلیم سے ہمیں غلط اور گمراہ کن عقائد، باطل تصورات اور جامد خیالات سے نجات دلانے کی صورت میں کیا۔ اور ہم پر یہ واضح ہوا کہ قرآن کریم سے صحیح راہنمائی حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ انسان خالی الذہن ہو کر اس کی طرف آئے اور اس کے ہاں سے جو کچھ ملے اسے من وعن قبول کرے خواہ یہ اس کے ذاتی خیالات، رجحانات، معتقدات اور معمولات کے کتنا ہی خلاف کیوں نہ ہو۔ کیونکہ ہمیں اپنے ایمان و عمل کو قرآن کے مطابق بنانا ہے۔ معاذ اللہ قرآن کو اپنے ایمان و عمل کے قالب میں ڈھالنا نہیں۔ آج معلم و مشفق کی پہلی برسی پر دل کا تقاضا یہ ہے کہ ان کی بتائی ہوئی صداقتوں اور دکھائی ہوئی حقیقتوں میں سے چند کو دہرایا جائے کہ سچائیوں کو پیشِ نظر رکھنے سے ہی سوچنے اور عقل و فکر سے کام لینے کی تحریک ملتی ہے۔ سوچنا اور عمل کرنا، یہی تو ایمان کا مقصود اول

مسلمان کی زندگی کا نصب العین ہے۔ ہم اس حقیقت سے بے خبر نہیں کہ پرویز صاحب قرآن کے اس عظیم فرمان تَتَفَكَّرُوا یعنی سوچو اور غور کرو پر کس قدر زور دیا کرتے تھے اور کس شرح و بسط کے ساتھ قرآنی تعلیم کے اس ماحصل پر روشنی ڈالا کرتے تھے۔ اس لئے کہ یہ غور و فکر ہی ہے جس کے ذریعے انسانیت ارتقائی منازل طے کرتی ہے اور زندگی کی نئی نئی راہیں سامنے آتی ہیں جنہیں حرکت و عمل سے طے کیا جاتا ہے۔ باباجی کے درسِ قرآنی کے سامعین کو یاد ہوگا کہ اس معلم نبض شناس نے درس دینے کے دوران ہمیں بارہا متنبہ کیا کہ یاد رکھیے کہ جو کچھ میں قرآنِ حکیم سے سمجھ کر آپ کو بتا رہا ہوں اسے صرف شوق سے سن لینا کافی نہیں آپ کو چاہیئے کہ درس سنتے ہوئے ساتھ کے ساتھ قرآنی آیات کے حوالے اور اہم نکات نوٹ کرتے جائیں تاکہ بعد میں اپنے طور پر پوری توجہ سے ان پر غور و فکر کر سکیں۔ یوں سوچتے سمجھنے سے قرآن کی حقیقتیں آپ پر کھلتی جائیں گی۔ اس عمل کو جاری رکھنے سے قرآن آپ کے لئے آسان ہو جائے گا۔ اللہ کا فرمان ہے وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ: اس مفکرِ قرآن نے کئی دفعہ ہمیں خبردار کیا کہ دیکھو! قرآن کے الفاظ سے یونہی نہ گذر جایا کرو، رک کر سوچو اور غور کرو کہ قرآن کا ایک ایک لفظ ہمارا دامن پکڑتا ہے۔ جناب باباجی اس طرف بھی توجہ دلاتے تھے کہ ان درسوں کو محض ذہنی تسلی یا عارضی راحت نہ سمجھ بیٹھنا، یہ قرآن کے حقائق ہیں، ان کو ذہنوں پر نقش کر لو۔ دلوں میں اتار لو کہ یہ ہمیشہ تمہارے ساتھ رہیں۔ اور قرآن کی روشنی تمہیں بھٹکنے نہ دے۔ حق اور باطل کی نشاندہی کرتے ہوئے باباجی نے ایک درس میں بتایا کہ یہ قرآن کی بڑی جامع اصطلاحات ہیں اور یاد رہے کہ حق کے اندر پورے کا پورا دین آجاتا ہے اور باطل کے اندر دنیا کے تمام حق کے مخالف نظام آجاتے ہیں اور اسی درس میں آپ نے کہا کہ بت پرستی اسی لئے دنیا کے اندر چلی ہوئی تھی کہ بت سامنے سے کچھ کہتا نہیں اور یہ بات انسان کی خودفریبی کو بڑی راس آئی ہوئی تھی۔ ہم نے خدا کو بھی بت تصور کر لیا کہ ہماری دانست میں وہ بھی سامنے سے کچھ کہتا نہیں۔" پرویز صاحب نے ہمیں پہلی دفعہ مذہب اور دین کے فرق سے آشنا کیا اور بتایا کہ قرآنِ مجید کو سمجھنے کے لئے "مذہب" اور "دین" کے بنیادی فرق کو سامنے رکھنا بھی نہایت ضروری ہے۔ اسلام دین ہے، مذہب نہیں۔ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ؛ مذہب انسان اور خدا کے درمیان ایک پرائیویٹ رشتے کا نام ہے۔ جس میں صرف اپنی نجات کی فکر ہوتی ہے۔ مذہب [illegible] سے خدا کی پرستش کرواتا ہے۔ دنیاوی امور اور اجتماعی مسائلِ حیات سے اس کا کچھ واسطہ نہیں ہوتا۔ جب کہ دین سے مقصود یہ ہے کہ خارجی کائنات اور انسانی زندگی کے لئے اللہ تعالیٰ نے جو قوانین مقرر کئے ہیں۔ ان قوانین کے مطابق زندگی بسر کرنے سے کاروانِ انسانیت اپنی منزلِ مقصود تک پہنچ سکتا ہے۔ انسانی دنیا سے متعلق قوانین، وحی کی رو سے عطا ہوئے ہیں جو اب اپنی آخری اور مکمل شکل میں قرآنِ کریم کے اندر محفوظ ہیں۔ جناب پرویز صاحب ہمیں بار بار یاد دلاتے رہے کہ مومن [illegible] ہر قدم اس کا ہر ارادہ اور ہر عمل اس مقصد کے لئے ہوتا ہے کہ اس سے خدا کی صفتِ رحمانیت

کا دنیا میں ظہور ہو جائے۔ یعنی ہر انسان کی مضمر صلاحیتوں کی نشوونما ہو جائے۔ ایک درس میں انہوں
نے فرمایا تھا "ہمارا ہر سانس ہماری زندگی کو بناتا ہے یا بگاڑتا ہے" مطلب واضح ہے کہ ہمارے
ہر لمحے اور ہر ساعت کی خوبی یا خامی ہمارے اپنے قول و فعل پر مبنی ہوتی ہے۔ ایک دوسرے درس
میں باباجی نے یہ صداقت بیان کی کہ تمام خرابیوں کی جڑ یہ ہے کہ انسان یہ سمجھ لے کہ مجھے کون
پوچھ سکتا ہے؟ اس کے مقابل حسنات کا سرچشمہ یہ ہے کہ انسان جو کچھ سوچے، سمجھے اور کرے سب
کے متعلق یہ ایمان محکم ہو کہ ان کا نتیجہ نکلے گا، کوئی مجھے پوچھے یا نہ پوچھے۔ ایک موقع پر وہ اس حقیقت
کو سامنے لائے کہ انسان کی مشکل یہ ہے کہ ظاہری طور پر ہر انسان انسان ہی ہوتا ہے اور اسی وجہ
سے دھوکا کھایا جاتا ہے۔ اور ساری مصیبتیں اسی دھوکے کے ہاتھوں ہوتی ہیں۔ انسان تو وہ ہے
جسے دور ہی سے دیکھ کر پہچانا جا سکے۔

انسانی ذات کے حوالے سے پرویز صاحب یہ قرآنی اصول پیش کرتے رہے کہ انسانی ذات
کی نشوونما ہر اس چیز سے ہوتی ہے جو دوسروں کی نشوونما کے لئے دی جاتی ہے۔ اور خدا کی رزق
پہنچانے کی ذمہ داری اہل معاشرہ پر عائد ہوتی ہے جو معاشرہ اس فریضہ کو سرانجام نہیں دیتا وہ خدا
کی حفاظت میں نہیں رہتا۔ ان کے تفکر و تدبر نے اس حقیقت کو عیاں کیا کہ قرآن کریم کا پروگرام
تمام نوع انسان کو امت واحدہ بنانا ہے۔ اور یہ کہ جب امت میں اختلاف ہونے سے فرقے پیدا ہو
جائیں تو وہ اسلامی زندگی نہیں کہلا سکتی۔

حاضرین مکرم! آج مجھے مفکر قرآن باباجی کی باتیں کرتے ہوئے یہ بھی بتانا ہے کہ ان کی نکتہ رس
شناس نے قرآن کی روشنی میں مرد اور عورت میں بطور انسان کوئی تفریق نہیں دیکھی۔ انہوں نے
مرد کے ساتھ ساتھ اس کو بھی جینے کا راستہ دکھایا، انہوں نے اپنی بصیرت قرآنی سے عورت کے
صحیح مقام انسانیت کو پہچانا اور عورت کے ان حقوق و فرائض کی جو قرآن نے اس کے لئے متعین کئے
ہیں ایسی دلنشین و انقلاب آفریں وضاحت کی کہ جس نے اسے معاشرے میں خود اعتمادی، جرأت اور
وقار کے ساتھ جینا سکھا دیا۔ قرآن کی مشعل ہاتھ میں رکھتے ہوئے بھی صدیوں سے مردوں نے عورتوں
کو محکومیت کی جو زنجیر پہنا رکھی تھی (اور پہنا رکھی ہے) اس کے متعلق بارہا دل سے یہ سوال اٹھا
کہ آخر جہانوں کا مالک انصاف پسند خدا، اپنے بندوں کے درمیان ایسی تفریق کیونکر روا رکھ سکتا ہے۔
اَلرِّجَالُ قَوّٰامُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ کے مردوں کے خودساختہ اور من پسند مفہوم سے عورتوں کے لئے
کوئی جائے پناہ نہ تھی۔ پرویز صاحب نے اس کے خلاف حق کی آواز بلند کی اور اس اہم آیت کا عربی
زبان کی رو سے قرآنی مفہوم اخذ کر کے حق و باطل کو نکھار کر علیحدہ علیحدہ کر دیا۔ اور یہ حقیقت سب
کے سامنے آگئی کہ خدا کے نزدیک جنسی تفریق نہ وجہ ذلت ہے نہ باعث امتیاز، نہ مرد محض مرد ہونے کی حیثیت
سے عورتوں سے افضل ہیں، نہ عورتیں محض عورت ہونے کے سبب مردوں سے کمتر۔ زندگی کی ابتدا نفس
[illegible] شامل ہیں۔ دونوں نوع انسان کے افراد ہیں اور جس مقام کا

مستحق ایک انسان ہے۔ اس میں مرد اور عورت یکساں طور پر شریک ہیں، اور مردوں کو خدا نے عورتوں کا حاکم نہیں بلکہ خاندان کی روزی مہیا کرنے والا کہا ہے۔ ہمارے بابا جی نے اپنے سلیم بیٹوں کے ساتھ ساتھ اپنی طاہرہ بیٹیوں کو جو محبت و شفقت دی۔ ان کی جیسی قلبی و ذہنی تربیت کی، قرآنی تعلیم کی روشنی میں ان کے مسائل کو جس طرح حل کیا اس کو اس درس گاہ کے فیض یافتہ سب اچھی طرح جانتے ہیں۔ اس وقت اٹھارہ سال پہلے کا ایک تاثر قلبی مثال میں پیش کرتی ہوں۔ یہ جماعت دہم کی ایک طالبہ کے سچے جذبے کا اظہار تھا۔ اس نے کہا اگر آپ مجھ سے پوچھیں کہ مجھے درس قرآن سے کیا ملا تو میں اتنا ہی کہہ سکوں گی کہ "مجھے یہاں سے ایک نیا بابا آدم مل گیا۔ جس کی اولاد میں مرد اور عورت یکساں عزت اور تعظیم کے مستحق ہیں۔ جو دنیا میں اس لئے آیا ہے کہ جن بچیوں کو انسانوں کی جہالت اور حقارت نے زندہ قبروں میں دبا دیا تھا انہیں قرآن کی روشنی میں ان قبروں سے نکال کر زندہ انسانوں کی صف میں کھڑا کر دے۔"

پرویز صاحب عمر بھر اس قرآنی مؤقف پر قائم رہے کہ انسان ہوتے ہوئے مرد اور عورت کی حیثیت میں کوئی فرق نہیں۔ نہ وہ برتر ہے نہ یہ کمتر۔ صرف انسان کے اعمال اسے بڑا یا چھوٹا بناتے ہیں۔ مخالفتوں کی یلغار میں انہوں نے حق کی آواز کو بلند رکھا اور جب بھی معاشرے کے مردوں نے مختلف گوشوں سے اٹھ اٹھ کر عورتوں کے خلاف محاذ بنایا اور انکی تحقیر و ذلت کی کوشش کی، پرویز صاحب نے قرآنی حقائق کے ساتھ اس کا توڑ کیا اور وہ تادم زیست قرآن کی بیٹیوں کے چارہ ساز رہے۔

آج پھر وطن عزیز میں عورتوں کے حقوق ختم کرنے کی مہم شروع ہے اور عائلی قوانین کی منسوخی کے لئے شور و غوغا بپا کیا جا رہا ہے۔ وہ عائلی قوانین جن میں عورت کو صرف ذرا سا یہ تحفظ ملا تھا کہ بیوی کی مرضی اور اجازت کے بغیر میاں دوسری شادی نہیں کرے گا۔ اور نابالغ لڑکی کا نکاح ممنوع قرار دیا گیا۔ اس کے علاوہ یتیم پوتے کو دادا کی جائیداد میں وارث ٹھہرایا گیا۔ عائلی قوانین کا یہ آرڈیننس پہلی دفعہ ۱۹۶۱ء میں جاری ہوا۔ پرویز صاحب نے ان قوانین کی حمایت کی کہ ان میں عورت کو قرآنی قانون کے بالکل مطابق تو نہیں بہر حال کچھ حق تو دیا گیا۔ پیش رفت تو ہوئی۔ انہوں نے عائلی قوانین پر ایک سیر حاصل مقالہ لکھا جو ۱۹۶۲ء میں طلوع اسلام میں شائع ہوا۔ اس میں ان قوانین کی اہمیت اور ضرورت کو قرآنی احکام کی روشنی میں اجاگر کیا۔ اس وقت بھی مذہب پرست طبقے نے جتنی اس کی مخالفت کی وہ کسی سے چھپی نہیں، آج بھی اس غیر انسانی رویہ کو دہرایا جا رہا ہے

کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا !!

آج ہم یہاں جناب پرویز مرحوم کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے اکٹھے ہوئے ہیں۔ میں سمجھتی ہوں کہ اس کی صحیح اور عملی صورت اس کے سوا کوئی اور نہیں کہ ہم محاسبہ خویش کرتے ہوئے دیکھیں کہ اس ایک برس میں جو ان کی رحلت کے بعد گزرا ہے۔ ہم میں سے ہر ایک نے اپنی اپنی جگہ

بابا جی کے مشن یعنی خالصتاً قرآن کے انسانیت ساز پیغام کو عام کرنے میں کیا حصّہ لیا۔ اور اس تحریکِ قرآنی کو زندہ و پائندہ رکھنے کے لئے کیا تگ و تاز کی! ہم بفضلہٖ تعالیٰ زندہ ہیں۔ ہمارے پاس وقت اور کام کرنے کی توانائی باقی ہے۔ ہمیں ابھی مہلت حاصل ہے۔ ہمارے پاس ہمیشہ رہنے والی نورِ مبین موجود و محفوظ ہے۔ ہم مفاہیمِ قرآن اور مطالبِ فرقان سے بے بہرہ نہیں۔ ہمارے بابا جی کی فکرِ قرآنی کے انمول و رخشندہ نقوش ہمیں دعوتِ غور و فکر دیتے ہوئے ہماری رہبری کے لئے موجود ہیں۔ آج ہمیں اپنے دلوں سے عزمِ صمیم کے ساتھ یہ عہد کرنا ہے کہ ہم جناب پرویز علیہ الرحمۃ کی روشن کردہ قندیل کو بجھنے نہیں دیں گے۔ ہم اس مشنِ قرآنی کو پورے عالمِ انسانیت میں جاری و ساری رکھیں گے۔ ہر ممکن استطاعت و استقامت کے ساتھ ہمیں یہ ذمہ داری ادا کرتے رہنا ہے۔ یہی تمنّا تھی اس محقق و مفکرِ قرآن کی۔ ذرا کان دھریئے اس مردِ درد آشنا کی آواز پر جس نے کہا تھا ؎

قدم قدم پہ جلاتا ہوں خونِ دل کے چراغ — یہ سوچ کر کوئی پیچھے بھی آ رہا ہوگا۔

آیئے! سوچ سمجھ کر ایک دوسرے کی رفاقت میں اس صراطِ مستقیم پر قدم بڑھائیں۔

وَمَا تَوْفِيقِيْ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔

(ثریّا عندلیب)

بقیہ نقد و نظر

کی نصف دیت کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں ملتا۔ بلکہ اس کے برعکس، قرآنی احکامات سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ دونوں کی دیت برابر ہے۔ فقہاء نے، اپنے اپنے زمانے کے حالات کو سامنے رکھ کر اس بارے میں اجتہادی فیصلے کئے۔ بعض نے اس زمانے کی عورتوں کی حالت کو سامنے رکھتے ہوئے نصف دیت کا فتویٰ دیا جب کہ بعض دوسرے فقہاء نے، جن میں قاضی ابوبکر الاصم اور ابن علیہ شامل ہیں پوری دیت کا فتویٰ دیا۔ ان حضرات کے فتویٰ کو امام فخرالدین رازی جیسے مفسّر نے ترجیح دی ہے (ص ۳۷۲) اس کی تائید میں صحابہ کے فتاوی بھی نقل کئے ہیں۔ جن کے مطابق اگر عورت کو بہت زیادہ زخمی کر دیا جائے، تو اس کے لئے انہوں نے عورت کو پوری دیت دلوائی (ص ۳۹۳)

مصنف کا استدلال یہ ہے کہ جب زخمی کرنے پر عورت کو پوری دیت دلوائی جا سکتی ہے تو پھر اسے جان سے مار دینے کے بعد آدھی کیسی ہو گی!

کتاب میں مسائل کے مختلف پہلوؤں پر بحث کرتے وقت قرآنی تعلیمات کو سامنے رکھا گیا ہے۔ اس لئے یہ کتاب صحیح معنوں میں "فقہ القرآن" کے نام سے موسوم کئے جانے کی حقدار ہے۔

باباجیؒ کی یاد میں

(باباجی کی پہلی برسی کی تقریب کے موقع پر کی گئی تقریر)

پرویز صاحب سے محروم ہوئے ہمیں ایک سال بیت چکا ہے ، انسان فانی ہے ، جو بھی اس دنیا میں آیا ہے، اُسے ایک نہ ایک دن جانا ہے - کل من علیہا فان ـــــ

دنیا کے کام اسی طرح چلتے رہتے ہیں ، غالبِ خستہ کے بغیر کوئی بھی کام بند تو نہیں ہوئے مگر غالب کا خلا پُر کرنے کے لئے چشمِ فلک آج بھی انتظار میں وا ہے۔

تعزیتی پیغاموں میں اکثر یہ جملہ دیکھنے میں آتا ہے کہ موصوف کے جانے سے جو خلا پیدا ہوگیا ہے وُہ پورا نہیں ہوسکتا ـــــ لیکن بعض اشخاص درحقیقی ایسے ہوتے ہیں جن کے متعلق بجا طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان کی جگہ لینے والا مستقبل کے افق پہ دُور دُور کہیں نظر نہیں آتا ـــــ

ترے قدموں نے رونق دے کے جس سے چھین لی رونق
وہ لاکھ آباد ہو اس گھر کی ویرانی نہیں جاتی

اور پرویز صاحب ایسی ہی ہستیوں میں سے تھے ،

علم و دانش کی دنیا میں ان کا جو مقام ہے مذہبی تنگ نظری اور تعصب کے اس دَور میں اسکا اظہار مفادِ خویش سے بے نیاز کوئی درویش ہی کرسکتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ ایسے لوگوں کا مقام تو مستقبل کا غیرجانبدار مؤرخ ہی متعین کیا کرتا ہے۔

قرآنِ پاک پہ سوچ بچار، غور و خوض ، تفکر و تدبر ان کی زندگی کا معمول بھی تھا اور مشن بھی اور وہ بھی ایسا کہ،

نصف صدی کا قصّہ ہے دو چار برس کی بات نہیں

مقصد سے لگن ، مخالفتوں کے باوجود کوہ تمثال استقامت کی ایسی مثال اب کہاں مل سکتی ہے ۔

اور یہ سب نہ ستائش کی تمنا نہ صلے کی پرواہ ۔

کہا کرتے تھے کہ اس کتابِ عظیم کے کسی بھی لفظ پر غور کئے بنا آگے نہ بڑھ جانا چاہیئے ، ہر لفظ اہم ہے۔

عربی بڑی ہی فصیح زبان ہے۔ ایک ایک بات کے لئے سینکڑوں مرادفات ہیں ان سینکڑوں الفاظ میں سے ربّ کائنات نے جو ایک لفظ منتخب کیا ہے تو اس میں کوئی تو ایسی بات ہو گی۔

بنی اسرائیل میں پیغمبر آتے رہے، بنی اسماعیل صدیوں صحراؤں کی زندگی گزار کر ایک ایسی زبان کی آبیاری کرتے رہے جو خدا کی آخری وحی کی متحمل ہو سکے۔ قرآن پاک کو سمجھنے کا یہ انداز انہوں نے علامہ اقبالؒ سے لیا تھا، جس کے لوازمات کچھ یوں تھے۔ کہ اس کی طرف ذہن کو صاف کر کے آؤ، پہلے سے بنے بنائے عقیدے لے کر نہیں، جو یہاں سے ملے اسے درست سمجھ کر قبول کرو۔

یہ عربی مبیں کی کتاب ہے، محاورۂ عرب سے واقفیت لازم ہے، وہ مطالب جو ان الفاظ سے اس کے اولیں مخاطب لیتے تھے سمجھنے ضروری ہیں ..... ترتیلِ آیات

اور پھر سمجھنے والا اپنے زمانے کے علوم پہ حاوی ہو،

لیکن اس وقت میں اس پہلو پہ بات نہیں کر رہا، میرے پیشِ نظر ان کی زندگی کا ایک اور پہلو ہے۔

اس بات کا تذکرہ تو مجلسِ شوریٰ سے پہلے والی قومی اسمبلی کی کارروائی کا حصّہ بن چکا ہے کہ اگر کوئی شخص قائدِ اعظمؒ سے وقت مقرر کئے بغیر مل سکتا تھا تو وہ پرویز صاحب تھے اور اس کی وجہ قائدِ اعظمؒ کی قرآن پاک سے والہانہ وابستگی تھی، جو لوگ قائدِ اعظمؒ کی اسلام سے بے خبری کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں وہ اگر بدنیت نہیں تو بے خبر ضرور ہیں۔ قائدِ اعظمؒ کی بے شمار تقاریر اس موضوع پہ موجود ہیں، ان کو ڈھونڈنے کے لئے انڈیا آفس لائبریری جانے کی بھی ضرورت نہیں۔

حکومتِ ہند کے محکمۂ داخلہ میں ملازم تھے مگر اس دور میں بھی جب بقول پیر علی محمد راشدی آج کے بڑے بڑے بزعم خود مسلم لیگی اور جانثارانِ قائد آل انڈیا مسلم لیگ کے دفتر کا رُخ کرتے ہوئے گھبراتے اور اس راستے سے گزرنے سے بھی کتراتے تھے۔ پرویز صاحب اُن معدودے چند (بلکہ دو تین) سرکاری ملازمین میں سے تھے جو نتائج سے بے پرواہ ملّت سے وفاداری نباہ رہے تھے۔ جو لوگ انہیں جانتے ہیں وہ اس بات کی گواہی دیں گے کہ وہ نہ اپنے لئے عہدوں اور رعائتوں کے حصول کے طلبگار تھے اور نہ ہی کوئی اور منفعت ان کے پیشِ نظر تھی نہ ہی وہ مہم جُو قسم کے انسان تھے کہ محض طبیعت کی خطر پسندی کی تسکین کے لئے اپنا کیریئر داؤ پہ لگا رہے تھے۔

یہ اس لئے تھا کہ ان کے نزدیک پاکستان کا قیام کوئی سیاسی یا معاشی یا قومی تقاضا نہیں بلکہ دینی فریضہ تھا اور دین کا تقاضا، دینی فریضہ ہر دوسری منفعت پہ مقدّم اور ہر خطرے کے سامنے ڈٹ جانے ہی کا تقاضا کرتا ہے۔

ان کے نزدیک اسلام، بندے اور خدا کے درمیان ایک پرائیویٹ تعلق کا نام نہ تھا چند اعتقادات اور چند رسوم کو اپنانے اور کچھ عبادات بجا لانے کا نام نہیں، ایک طرزِ زندگی، ایک نظامِ حیات ہے جو زندگی کے ہر شعبے پہ محیط ہے، اسلام ایک نظامِ معیشت، ایک نظامِ سیاست، ایک نظامِ حکومت

کا نظام ہے اور نظام ایک آزاد مملکت میں ہی نافذ ہو سکتا ہے۔ آزاد مملکت کے بغیر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر محض وعظ و نصیحت بن کر رہ جاتے ہیں۔

عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کارِ بے بنیاد

قیامِ پاکستان کی جنگ کئی محاذوں پہ لڑی جانے والی جنگ تھی، ہندو اپنی عددی قوت، معاشی خوشحالی، سیاسی برتری کے بل پہ مخالف تو تھا ہی، انگریز بھی ایک بڑی اسلامی مملکت کے قیام کو اپنی عالمی اور مسیحی مصلحتوں کے لئے نیک فال نہ جانتا تھا مگر یہ محاذ قائداعظمؒ نے اپنی بے مثال سیاسی اور قانونی قابلیتوں کے زور پہ بطریقِ احسن سنبھالا ہوا تھا مگر اس کی مخالفت ایک اور گوشے سے بھی ہو رہی تھی اور وہ تھے علمائے کرام — وہ اسے مغرب زدہ سیاسیئن، افسروں، تاجروں، زمینداروں کا اپنے اپنے مفاد کے لئے سیاسی کھیل بتلاتے تھے اور وہ عامۃ الناس کو اس تحریک سے دُور رکھنے کے لئے ان لوگوں کی مذہب سے دوری، بے خبری، بیگانگی کا خوب خوب چرچا کرتے تھے۔

ان کا یہ طلسم دلیل کے زور پہ توڑنے کے لئے ایک اور محاذ کی ضرورت تھی جو اس طبقے کے ہتھیاروں سے بخوبی عہدہ برآ ہو سکتا ہو — یہ محاذ انہوں نے پرویزؒ صاحب کے سپرد کر رکھا تھا، طلوعِ اسلام کے فائل اس کے گواہ ہیں کہ کیسے ان سامریوں کا طلسم واضح دلائل سے توڑا گیا۔

میں یہ نہیں کہتا کہ یہ سب مولانا حضرات کانگریس کے زرخرید تھے یا سبھی کے مفادات قائد کے مخالف گروہ سے وابستہ تھے، یا انکی اسلام سے وابستگی مشکوک تھی، وہ تو خود کو مذہب کا اجارہ دار سمجھتے تھے —

پھر وہ آخر مخالف کیمپ میں کیوں تھے، یہی بات سمجھنے کی ہے۔ ان حضرات کے نزدیک اسلام بھی دوسرے مذاہب کی طرح چند اعتقادات، کچھ عبادات اور کچھ رسوم کا نام تھا، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ — اور کچھ شخصی قوانین نکاح، طلاق، وراثت اپنے اپنے طریق سے اور باقی وہی سچ بولنا، نیکی کرنا، گناہ سے بچنا، خوفِ خدا، صدقہ و خیرات — اور بس،

اور اس سب کی، وہ کہتے تھے ہم ضمانت دلاتے ہیں، اکثریتی فرقے سے — ان کا کہنا تھا، آپ کو اور کیا چاہیئے؟ — (ضمناً یہ بھی کہدوں کہ یہ جو عائلی قوانین کے خلاف شور و غوغا ہے وہ بھی محض اس لئے کہ یہ ان کی اجارہ داری پہ زد ہے، انہیں دُکھ یہ ہے کہ یہ قوانین حکومت نے کیوں بنائے، اس کا اختیار تو صرف کلرجی کو ہے)

معیشت کے متعلق ان کا تصور بس اڑھائی فیصد زکوٰۃ اور سود دینے پہ ہیر۔ اور سود کا تصور بھی ان کا اپنا محدود سا تصور تھا، — اس کے بعد آپ جتنی کوٹھیاں، جتنی کاریں، جتنی زمین، مال و دولت اکٹھے کر لیں آپ کا جائز اور حلال مال ہے جس میں کسی کو دخل دینے کا حق نہیں —

[illegible]ت و غربت، عزت و ذلت کی طرح خدا کی طرف سے، قسمت کا لکھا پورا ہو کر رہنا ہے، اسمیں

انسان بے بس و مجبور ہے ـــ ان کے مذہب میں حاکم مرد کو مال و دولت کے بل پہ بلا جواز چار بیویاں
اور مقدور ہو تو بلا تعداد لونڈیاں رکھنے کی اجازت اور بیویوں میں سے جس کو جب جی چاہے طلاق
دے کر نئی شادی کا حق اور لونڈی کو جب جی چاہے کسی کو تحفہ میں دینے یا فروخت کرنے کا حق ہے۔
مگر اس کے مقابل مذہب کا دوسرا تصور تھا، علامہ اقبالؒ، قائداعظمؒ اور پرویزؒ صاحب کا
قرآنِ پاک کی تعلیم پہ مبنی تصور، ایک ایسے معاشرے کی تشکیل جس میں ہر کس کو یکساں مواقع میسر ہوں؛

نے کوئی فغفور و خاقاں نے فقیر رہ نشیں

کوئی اونچ نیچ نہ ہو،
نہ کوئی بھوکا ننگا ہو، نہ بے گھر اور بے در، نہ سائل و محروم، نہ بے آسرا و تنہا نہ حاکم و محکوم۔

کس درآنجا سائل و محروم نیست
عبد و مولا حاکم و محکوم نیست

زمین کی ملکیت ـــ

پادشاہوں کی نہیں اللہ کی ہے یہ زمین
اس سے بڑھ کر اور کیا فکر و عمل کا انقلاب

جب کوئی زمین کا مالک نہیں ہوگا، ذرائع رزق کا اجارہ دار نہ ہوگا تو لوگوں کو محروم رکھ کر اپنا محکوم
نہ بنا سکے گا، ہر فرعون پہلے وسائلِ رزق کو اپنے قبضے میں کرتا ہے اور پھر غراتا ہے: انا ربکم الاعلیٰ
اس سے پہلے وہ یہ نعرہ لگا ہی نہیں سکتا۔
محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیا ہوا اسلام ـــ
وہ ملوکیت کے زمانے کا اسلام تھا، یہ
اللہ کا فضل شاملِ حال تھا کہ یہ دوسرا تصورِ اسلام جو قائداعظمؒ علامہ اقبالؒ اور پرویزؒ کا تصورِ
اسلام تھا جیت گیا۔
آپ سوچ سکتے ہیں، مخالفوں کو کتنی مایوسی ہوئی ہوگی، کتنی خفت اٹھانی پڑی ہوگی ـــ اگر آپ
سمجھ چکے ہیں تو یہ سمجھنا چنداں مشکل نہ ہوگا کہ پرویزؒ صاحب کی یہ ساری مخالفت کیوں ہے،
مختلف اطراف سے ان پہ یہ مختلف لیبل کیوں لگتے ہیں۔
وقت کچھ ایسا پلٹا کھا چکا ہے کہ آج سرمایہ دار، کارخانہ دار، بلیک مارکیٹیئر، زمیندار، گدی نشین مذہبی
پیشوا یہ سارے مترفین جو دوسروں کی محنت کی کمائی پہ عیش کرتے ہیں، سامنے آ کر بات کرنے کی جرأت
نہیں کر سکتے، چھپ کر وار کرتے ہیں، فرضی من گھڑت اعتراضات اور بلا جواز فتووں کا سہارا
لے کر سادہ لوح مسلمانوں کو ادھر آنے سے روکنے کی کوشش کرتے ہیں۔
پرویزؒ صاحب نے کبھی یہ نہیں کہا کہ ان کا کہا حرفِ آخر ہے۔ ان کا کہنا تھا (میں ان کے
الفاظ نقل کرتا ہوں) "اپنی قرآنی فکر دوسروں کے سامنے پیش کرنے سے میرا مقصد یہ ہے کہ
وہ قرآنِ کریم کے قریب آئیں اور اس پہ خود غور و فکر کریں، وہ اس طرح تدبر فی القرآن سے اگر کسی
ایسے نتیجے پہ پہنچیں جو میری فکر سے مختلف ہے تو نہ صرف یہ کہ مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا بلکہ میں ان حقائق پہ
دوبارہ غور کروں گا۔" آپ ہی انصاف کیجئے کیا یہ غور و فکر کی وہی قرآنی دعوت نہیں ہے۔
قل انما اعظکم بواحدۃ ان تقوموا للہ مثنیٰ و فرادیٰ، ثم تتفکروا (34/46)

(ڈاکٹر صلاح الدین اکبر)

اقبالؒ کے تصوّرات

(زندگی کے اہم مسائل کے متعلق)

اجتہاد

ہند میں حکمتِ دیں کوئی کہاں سے سیکھے
نہ کہیں لذتِ کردار نہ افکارِ عمیق
حلقۂ شوق میں وہ جرأتِ اندیشہ کہاں
آہ! محکومی و تقلید و زوالِ تحقیق
خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق
اہلِ خانقاہ کا یہ مسلک ہے کہ ناقص ہے کتاب
کہ سکھاتی نہیں مومن کو غلامی کے طریق

(ضربِ کلیم)

تخلیق

جہانِ تازہ کی افکارِ تازہ سے ہے نمود
کہ سنگ و خشت سے ہوتے نہیں جہاں پیدا
خودی میں ڈوبنے والوں کے عزم و ہمت نے
اس آبجو سے کئے بحر بیکراں پیدا
وہی زمانے کی گردش پہ غالب آتا ہے
جو ہر نفس سے کرے عمرِ جاوداں پیدا
خودی کی موت سے مشرق کی سرزمینوں میں
ہوا نہ کوئی خدائی کا رازداں پیدا

(ضربِ کلیم)

جدّت

دیکھے تو زمانے کو اگر اپنی نظر سے
افلاک منوّر ہوں ترے نورِ سحر سے
خورشید کرے کسبِ ضیا تیرے شرر سے
ظاہر تری تقدیر ہو سیمائے سحر سے

دریا متلاطم ہوں تری موجِ گہر سے
شرمندہ ہو فطرت ترے اعجازِ ہنر سے
اغیار کے افکار و تخیّل کی گدائی
کیا تجھ کو نہیں اپنی خودی تک بھی رسائی؟
(ضربِ کلیم)

۴۔ صاحبِ ایجاد

جو عالمِ ایجاد میں ہے صاحبِ ایجاد
ہر دور میں کرتا ہے طواف اس کا زمانہ
تقلید سے ناکارہ نہ کر اپنی خودی کو
کر اس کی حفاظت کہ یہ گوہر ہے یگانہ
اس قوم کو تجدید کا پیغام مبارک
ہے جس کے تصوّر میں فقط بزمِ شبانہ
(ضربِ کلیم)

۵۔ فنونِ غلامان

بے یقیں را لذّتِ تخلیق نیست
بے یقیں را قوتِ تخلیق نیست
بے یقیں را رعشہ ہا اندر دل است
نقش نو آوردن او را مشکل است
از خودی دور است و رنجور است و بس
رہبرِ او ذوقِ جمہور است و بس
(زبورِ عجم)

۶۔ مُلّا

دینِ حق از کافری رسوا تر است
زانکہ مُلّا مومنِ کافر گر است
شبنمِ ما در نگاہِ ما یم است
از نگاہِ او یمِ ما شبنم است
از شگرفیہائے آں قرآں فروش
دیدہ ام روح الامیں را در خروش
زاں سوئے گردوں دلش بیگانۂ
نزدِ او امّ الکتاب افسانۂ
بے نصیب از حکمتِ دینِ نبیؐ
آسمانش تیرہ از بے کوکبی
کم نگاہ و کور ذوق و ہرزہ گرد
ملّت از قال و اقولش فرد فرد
مکتب و مُلّا و اسرارِ کتاب
کورِ مادر زاد و نورِ آفتاب

دینِ کافر فکر و تدبیرِ جہاد
دینِ مُلّا فی سبیل اللہ فساد

(جاوید نامہ)

۷۔ بزبانِ ابلیس

نے حدیث و نے کتاب آوردہ ام　　جانِ شیریں از فقیہاں بردہ ام
رشتۂ دیں چوں فقیہاں کس نرشت　　کعبہ را کردند آخر خشت خشت

جاوید نامہ

مسلمان کے لیے چار مرگ۔

چار مرگ اندر پے ایں دیر میر　　سود خوار و والی و ملّا و پیر

(جاوید نامہ)

مسلمانانِ فرنگی مآب

عالماں از علمِ قرآں بے نیاز　　صوفیاں درندہ گرگ و مو دراز
ہم مسلمانانِ افرنگی مآب　　چشمۂ کوثر بجوئند از سراب
بے خبر از سِرّ دین اند ایں ہمہ　　اہلِ کیں اند۔ اہلِ کیں اند۔ ایں ہمہ
گرگاں را رسم و آئیں دیگر است　　سطوتِ پرداز شاہیں دیگر است

(جاوید نامہ)

پاکستانی مسلمان

داستانِ او مپرس از من کہ من　　چوں بگویم آنچہ ناید در سخن
در گلویم گریہ ھا گردد گرہ　　ایں قیامت اندرونِ سینہ بہ
مسلم ایں کشور از خود ناامید　　عمر ہا شد با خدا مردے نہ دید
لاجرم از قوتِ دیں بدظن است　　کاروانِ خویش را خود رہزن است

پست فکر و دوں نہاد و کور ذوق / مکتب و ملائے او محرومِ شوق
زشتئ اندیشہ اورا خوار کرد / افتراق او را زخود بیزار کرد
تا نداند از مقام و منزلش / مُرد ذوقِ انقلاب اندر دلش

(پس چہ باید کرد)

۱۱۔ اس کے پاس قرآن نہیں

منزل و مقصودِ قرآں دیگر است / رسم و آئینِ مسلماں دیگر است
در دلِ او آتشِ سوزندہ نیست / مصطفیٰؐ در سینۂ او زندہ نیست
بندۂ مومن ز قرآں بر نخورد / در ایاغِ او نہ مے دیدم نہ دُرد
خود طلسمِ قیصر و کسریٰ شکست / خود سرِ تختِ ملوکیت نشست
تا نہالِ سلطنت قوت گرفت / دینِ او نقش از ملوکیت گرفت

(جاوید نامہ)

۱۲۔ متاعِ شیخ

متاعِ شیخ اساطیرِ کہن بود / حدیثِ او ہمہ تخمین و ظن بود
ہنوز اسلامِ او زنار دار است / حرم چوں دیر بود او برہمن بود

(ارمغانِ حجاز)

۱۳۔ مُلّا

بیا ساقی بگرداں ساتگیں را / بیفشاں بر دو گیتی آستیں را
حقیقت را بہ رندے فاش کردند / کہ مُلّا کم شناسد رمزِ دیں را

(ارمغانِ حجاز)

۱۴۔ بندِ صوفی و مُلّا

بہ بندِ صوفی و مُلّا اسیری / حیات از حکمتِ قرآں نگیری

بآیاتش ترا کارے جز ایں نیست
کہ از "یٰسین" او آساں بمیری
(ارمغان حجاز)

۱۵۔ مغز و پوست

گر فہم حضرت ملا ترشی روست
نگاہش مغز را نشناسد از پوست
اگر بایں مسلمانی کہ دارم
مرا از کعبہ می راند حق اوست
(ارمغانِ حجاز)

۱۶۔ تاویلِ قرآن

زمن بر صوفی و ملا سلامے
کہ پیغام خدا گفتند ما را
ولے تاویلِ شاں در حیرت انداخت
خدا و جبرئیل و مصطفےٰ را
(ارمغان حجاز)

۱۷۔ ملائے حرم

عجب نہیں کہ خدا تک تری رسائی ہو
تری نگہ سے ہے پوشیدہ آدمی کا مقام
تری نماز میں باقی جلال ہے نہ جمال
تری اذاں میں نہیں ہے مری سحر کا پیام!
(ضرب کلیم)

۱۸۔ فریب ہی فریب

چہ ملائی چہ درویشی۔ چہ سلطانی چہ دربانی
فروغ کار می جوید بسالوسی و زرّاقی
(زبورِ عجم)

۱۹۔ پیشوائیت

شیخ شہر از رشتۂ تسبیح صد مومن بدست
کافرانِ سادہ دل را برہمن زنار تاب

انقلاب!
انقلاب: اے انقلاب!!
واعظ اندر مسجد و فرزند او در مدرسہ آں بہ پیری کودکے۔ ایں پیر در عہدِ شباب
انقلاب!
انقلاب: اے انقلاب!!
(زبورِ عجم)

۲۰۔ نخلِ بے ثمر

شنیدہ ام سخن شاعر و فقیہہ و حکیم — اگر چہ نخلِ بلند است برگ و بر ندہد
(زبورِ عجم)

۲۱۔ اشتراکیت

صاحبِ سرمایہ از نسلِ خلیل — یعنی آں پیغمبرِ بے جبرئیل!
زانکہ حق در باطلِ او مضمر است — قلبِ او مومن دماغش کافر است
غربیاں گم کردہ اند افلاک را — در شکم جویند جانِ پاک را
رنگ و بو از تن نگیرد جانِ پاک — جز بتن کارے ندارد اشتراک
دینِ آں پیغمبرِ حق ناشناس — بر مساواتِ شکم دارد اساس

تا اخوت را مقام اندر دل است
بیخِ او در دل نہ در آب و گل است
(جاوید نامہ)

۲۲۔ روس کا تجربہ

ہم چناں بینی کہ در دورِ فرنگ — بندگی با خواجگی آمد بجنگ
روس را قلبِ جگر گردیدہ خوں — از ضمیرش حرفِ لا آمد بروں
آں نظامِ کہنہ را برہم زد است — تیز تیشے بر رگِ عالم زد است
کردہ ام اندر مقاماتش نگاہ — لا سلاطیں، لا کلیسا، لا الٰہ

فکر او در تندِ بادِ لا بماند   مرکبِ خود را سوئے اِلّا نراند
آیدش روزے کہ از زورِ جنوں   خویش را زیں تند باد آرد بروں
در مقامِ لا نیاساید حیات   سوئے اِلّا می خرامد کائنات
لا و اِلّا سازو برگِ اُمتاں   نفی بے اثبات مرگِ اِمتاں
در محبت پختہ کے گردد خلیل   تا نگردد لا سوئے اِلّا دلیل
اے کہ اندر حجرہ ہا سازی سخن   نعرۂ لا پیشِ نمرودے بزن
ایں کہ می بینی نیرزد با دو جو   از جلالِ لا الٰہ آگاہ شو
ہر کہ اندر دستِ او شمشیرِ لاست   جملہ موجودات را فرمانرواست

(پس چہ باید کرد)

۲۳۔ الارض لِلّٰہ

حق زمیں را جز متاعِ ما نگفت   ایں متاعِ بے بہا مفت است مفت
دہ خدایا نکتۂ از من پذیر   رزق و گور از وے بگیر او را مگیر
باطنِ الارض للہ ظاہر است   ہر کہ ایں ظاہر نہ بیند کافر است

رزقِ خود را از زمیں بردن رواست   ایں متاعِ بندہ و ملکِ خداست
بندۂ مومن امیں، حق مالک است   غیرِ حق ہر شے کہ بینی ہالک است

اے کہ می گوئی متاعِ ما زماست   مردِ ناداں ایں ہمہ ملکِ خداست
ارضِ حق را ارضِ خود دانی بگو   چیست شرحِ آیۂ لا تفسدوا
ابنِ آدم دل بابلیسی نہاد   من ز ابلیسی ندیدم جز فساد
کس امانت را بکارِ خود نبرد   اے خوش آں کو ملکِ حق با حق سپرد
بردۂ چیزے کہ از آنِ تو نیست   دانم از کارے کہ شاہکارِ تو نیست
گر تو باشی صاحبِ شے می سزد   در نباشی، خود بگو کے می سزد
ملکِ یزداں را بہ یزداں باز دہ   تا ز کارِ خویش بکشائی گرہ
زیرِ گردوں فقر و مسکینی چراست   آنچہ از مولاست می گوئی زماست
بندۂ کز آب و گل بیروں نجست   شیشۂ خود را بسنگِ خود شکست
اے کہ منزل را نمی دانی زدہ   قیمتِ ہر شے ز انداز نگہ

تا متاعِ تست گوہر گوہر است
نوعِ دیگر بیں جہاں دیگر شود

در نہ سنگ است از پشیزے کمتر است
ایں زمین و آسمان دیگر شود

(جاوید نامہ)

۲۴۔ مثالی معاشرہ

ساکنانش در سخن شیریں چو نوش
خوب روئے و نرم خوئے و سادہ پوش

فکرِ شاں بے درد و سوزِ اکتساب
رازدانِ کیمیائے آفتاب

خدمت آمد مقصدِ علم و ہنر
کار ہا را کس نمی سنجد بزر

کس ز دینار و درم آگاہ نیست
ایں بتاں را در حرمہا راہ نیست

سخت کشِ دہقاں، چراغش روشن است
از نہابِ دہ خدایاں ایمن است

کشت و کارش بے نزاعِ آبجو ست
حاصلش بے شرکتِ غیرے از دست

اندراں عالم نہ لشکر نے قشون
نے کسے روزی خورد از کشت و خون

نے قلم در مرغدیں گیرد فروغ
از فنِ تحریر و تشہیر دروغ

نے بہ بازاراں زبیکاراں خروش
نے صدا ہائے گدایاں دردِ گوش

کس دریں جائی و محروم نیست
عبد و مولا حاکم و محکوم نیست

(جاوید نامہ)

۲۵۔ حاصلِ مملکتِ اسلامیہ

کس نباشد در جہاں محتاجِ کس
نکتۂ شرعِ مبیں ایں است و بس

(جاوید نامہ)

۲۶۔ ابلیس کی زبان سے

جانتا ہوں میں یہ امت حاملِ قرآں نہیں
ہے وہی سرمایہ داری بندۂ مومن کا دیں

جانتا ہوں میں کہ مشرق کی اندھیری رات میں
بے یدِ بیضا ہے پیرانِ حرم کی آستیں!

عصرِ حاضر کے تقاضاؤں سے ہے لیکن یہ خوف
ہو نہ جائے آشکارا شرعِ پیغمبر کہیں

الحذر آئینِ پیغمبر سے سو بار الحذر!
حافظِ ناموسِ زن، مرد آزما، مرد آفریں

موت کا پیغام ہر نوعِ غلامی کے لئے
نے کوئی فغفور و خاقاں نے فقیرِ رہ نشیں

کرتا ہے دولت کو ہر آلودگی سے پاک و صاف
منعموں کو مال و دولت کا بناتا ہے امیں

اس سے بڑھکر اور کیا فکر و عمل کا انقلاب
بادشاہوں کی نہیں اللہ کی ہے یہ زمیں

چشمِ عالم سے رہے پوشیدہ یہ آئیں تو خوب
یہ غنیمت ہے کہ خود مومن ہے محرومِ یقیں

ہے یہی بہتر الٰہیات میں الجھا رہے
یہ کتاب اللہ کی تاویلات میں الجھا رہے

(ارمغانِ حجاز)

۲۷۔ حرفِ آخر

گر تو می خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بہ قرآں زیستن

مقابلۂ مضمون نویسی

ادارہ طلوعِ اسلام رجسٹرڈ۔ ۲۵۔ بی گلبرگ II لاہور کے زیرِ اہتمام مقابلۂ مضمون نویسی بعنوان "پاکستان کی معاشی مشکلات اور ان کا قرآنی حل" کے تحت موصول ہونے والے بے شمار مضامین میں سے مندرجہ ذیل طلباء کے مضامین انعام کے مستحق قرار پائے۔

اوّل انعام (مبلغ ۲۰۰۰ روپے)
۱۔ سید اقبال ظفر علی علوی سال دوم یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی لاہور
۲۔ آنسہ تسنیم کوثر۔ سال پنجم گورنمنٹ ایف سی کالج لاہور

دوسرا انعام (مبلغ ۱۵۰۰ روپے)
۱۔ آنسہ منزہ۔ سال سوم۔ گورنمنٹ ڈگری کالج برائے خواتین باغبانپورہ
۲۔ عزیز سید صلاح الدین۔ بی اے صحافت

تیسرا انعام (مبلغ ۱۰۰۰ روپے)
۱۔ عزیز محبوب علی آفریدی۔ گورنمنٹ کالج پشاور
۲۔ عزیز امتیاز احمد۔ سال دوم۔ زمیندارہ ڈگری کالج گجرات

(ایم۔ ایم خلیل)

پرویز صاحبؒ کو ایک بیٹی کا خراجِ عقیدت

یہ مضمون پرویز صاحبؒ کی پہلی برسی کے موقع پر ۲۸ فروری ۱۹۸۶ء کو پڑھا گیا۔ اصل مضمون انگریزی زبان میں تھا، جس کا ترجمہ قارئین طلوعِ اسلام کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ (ادارہ)

میں اپنے باباجی پرویز صاحبؒ کو انگریزی زبان میں خراجِ عقیدت پیش کروں گی اور ایسا کرنے کے لئے میں کسی قسم کی معذرت کی ضرورت نہیں سمجھتی، کیونکہ ہم یہاں مستقل قرآنی اقدار کے حوالے سے اکٹھے ہوئے ہیں، نہ کہ اردو یا پنجابی بولنے والوں کی حیثیت سے۔ ویسے ہمارے ہاں یہ عجیب رسم چل نکلی ہے کہ ہم اپنے قومی تشخص کی پہچان، زبان اور لباس کے حوالے سے کراتے ہیں، لیکن اس پر دیانتداری سے عمل نہیں کرتے۔ یہ جاہلانہ طرزِ فکر ہے اور حیرت کی بات ہے کہ جاہلانہ سوچ کا نتیجہ ناکامی کے سوا کچھ نہیں ہوتا، لیکن ہم پرویز صاحب کے شکر گزار ہیں، کہ انہوں نے ہمیں اس قسم کی فضول بحثوں میں اپنا وقت ضائع کرنے سے بچا لیا تھا۔

اس حقیقت سے کسی کو انکار نہیں کہ ہر زبان کی ایک عملی اہمیت ہے، اس سے ایک انسان دوسرے انسان سے رابطہ قائم کرتا ہے، تاہم یہ کوئی خدائی حکم نہیں کہ اس کے انکار سے کفر لازم آتا ہو۔ اگر ایسا ہوتا تو آج مجھے آپ سے باتیں کرنے کا یہ موقع نہ ملتا۔ اور نہ ہی میں طلوعِ اسلام کی سالانہ کنونشنوں پر تقریریں کر سکتی۔ میری حیثیت ایک گونگی اور عجمی عورت سے زیادہ نہ ہوتی، لیکن پرویز صاحبؒ نے مجھے زبان دی اور بولنے کا موقع دیا۔

کہیں آپ یہ نہ سمجھ لیں کہ میں اردو زبان سے اپنی ناقابلِ معافی جہالت کے لئے کوئی وجہِ جواز تلاش کر رہی ہوں۔ بلکہ اس حقیقت کی طرف اشارہ کرنے سے میرا ایک خاص مقصد ہے، جو دُور رس نتائج کا حامل ہو سکتا ہے۔

آپ سب کو معلوم ہے کہ پچھلے چند سالوں سے ہم اس چکر میں پڑ چکے ہیں کہ کونسی چیز اسلامی اور ملکی ہے اور کون سی غیر اسلامی اور غیر ملکی ہے۔ اس کے حوالے سے ہم زندگی کی چند فروعی چیزوں کی بحث میں پڑ کر اپنا وقت ضائع کرتے رہتے ہیں۔ میں پرویز صاحبؒ کی شکر گزار ہوں کہ انہوں نے یہ مسئلہ میرے لئے بہت اچھی طرح واضح کر دیا تھا۔ انہوں نے فرمایا تھا کہ جو چیز انسانی اقدار اور شرف کے خلاف ہے، وہ غیر اسلامی ہے اور جو چیز خوبصورت اور انسانی اقدار کے مطابق ہے وہ خالص اسلامی ہے، لیکن غیر انسانی اقدار کے خلاف جہاد کرنا بڑا مشکل کام ہے، اور شلوار قمیض کو اسلامی شعائر قرار دے کر انہیں پہن لینا بڑا آسان کام ہے۔ یہ ہے مسئلہ کی اصل اہمیت جس کی طرف میں آپ کی توجہ دلانا چاہتی تھی۔

پرویزؒ صاحب کا مقام اس سے بہت بلند ہے کہ مجھ جیسی کم علم عورت ان کے بارے میں گفتگو کرے۔ میں انہیں کس حد تک جان سکی ہوں، کہاں تک انہیں پہچان سکی ہوں اور کس حد تک ان کی سوچ کو سمجھ سکی ہوں، اس کا دارومدار میرے اپنے محدود تجربے اور ناقص سوچ پر ہے، میں جب بھی ان سے گفتگو کرتی تھی تو اس وقت مجھے اپنی کم علمی کا اندازہ ہوتا تھا، تو پھر ان جیسے عظیم نابغۂ عصر کے بارے میں زبان کھولنے کی گستاخی کیسے کر سکتی ہوں۔ حاضرینِ کرام یہ بات نہیں ہے۔ میں خود ان کے بارے میں اپنی زبان کھولنے سے گھبراتی ہوں، لیکن میرے رفقاء نے مجھے مجبور کیا ہے کہ میں بھی باباجی کی برسی کے موقع پر ضرور کچھ عرض کروں، ویسے پرویزؒ صاحب نے خود ہمیں کبھی یہ احساس بھی نہ ہونے دیا کہ ہم عورتیں جاہل یا بیوقوف ہیں۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب ایک دفعہ میرے کالج کی کچھ طالبات، میرے ساتھ باباجی سے ملاقات کے لئے آئیں، تو ان میں سے ایک لڑکی نے باباجی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ اس نے ایک سوال پوچھنا ہے، لیکن وہ سوال ذرا احمقانہ ہے۔ اس پر پرویزؒ صاحب نے فرمایا کہ کوئی بھی سوال احمقانہ نہیں ہوتا۔ اس کے بعد انہوں نے ان طالبات کے ساتھ بالکل برابر کی سطح پر گفتگو کی، جو بڑی دلچسپ تھی۔

باباجی پرویزؒ صاحب سے جب میری پہلی ملاقات ہوئی تو میں نے محسوس کیا کہ میں جاہلِ مطلق ہوں، اس تاثر نے مجھے یہ سوچنے پر مجبور کیا کہ اب تک میں کیا پڑھتی رہی ہوں! مجھے اپنی کم علمی کا سخت احساس ہوا۔ لیکن پرویزؒ صاحب نے کوشش کی کہ مجھے یا مجھ جیسے دوسرے لوگوں کو، اس قسم کا احساس نہ ہو۔ چنانچہ ان کے اس رویّے کی وجہ سے ہم ان سے

گفتگو کرنے میں فخر محسوس کرتے تھے۔ انہوں نے ہمارے پراگندہ ذہنوں اور بکھری ہوئی شخصیتوں کو دوبارہ یک جان بنا دیا۔ جب میں پہلی دفعہ، ان کی کتابوں کے ذریعے اور بعد میں بالمشافہ ملاقات کے ذریعے متعارف ہوئی، تو پہلے تو میں سخت گھبرائی اور مجھے خاصی پریشانی لاحق ہوئی۔ تاہم ان کے مشفقانہ رویّے کی وجہ سے مجھ میں ایک ایسی قوت پیدا ہو گئی کہ جس کے نتیجے میں، میں نے مذہب کی تمام فریب کاریوں کو ایک تیز چاقو کی طرح کاٹ دیا۔ یہ فریب کاریاں میرے راستے میں حائل تھیں۔ میں اپنی اس بوڑھی نسل کے خلاف بھی اٹھ کھڑی ہوئی، جو اپنے آپ کو تو حق پر سمجھتی ہے لیکن میرے ذہن میں اٹھنے والے سوالوں کا جواب نہ دے سکتی تھی۔ یہ عمر رسیدہ نسل میری تسلّی کرانے میں ناکام ہو گئی تھی۔ چنانچہ مجھے یہ ساری دنیا کھوکھلی اور فضول نظر آنے لگی۔ اور میں بطورِ عورت، اپنے آپ کو انسانی معاشرے کی سب سے گھٹیا مخلوق سمجھنے لگی۔

تاہم اس صورتِ حالات نے مجھے ایک مثبت نتیجے پر بھی پہنچا دیا۔ اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ میرا مضمون بھی تاریخ تھا۔ تاریخ کے میرے مطالعہ نے اس امر کی طرف میری راہنمائی کی کہ ہر معاشرے میں تمام خرابیوں کی جڑ مذہبی طبقے کی اجارہ دارانہ ذہنیت رہی ہے۔ اس غور و فکر کے نتیجے میں، میں نے ہر چیز کو بغیر دلیل کے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اب میرا ذہن ایک صاف تختی کی مانند تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ میرا یہ طرزِ عمل کلمہ شریف کے پہلے جزو یعنی "لا" کے تقاضوں کے عین مطابق ہے۔ اگر پرویزؒ صاحب مجھے کلمہ شریف کے دوسرے جزو یعنی "الا" کی تعلیم نہ دیتے تو معلوم نہیں میں ضلالت کی کتنی عمیق گہرائیوں میں جا گری ہوتی۔ اپنی اس حالت کا اب احساس کرتی ہوں تو کانپ اٹھتی ہوں۔

پرویزؒ صاحب نے جس طرح میری ذہانت اور لیاقت کو جلا بخشی وہ خود ایک مستقل کہانی ہے۔ پھر ان کی اس کوشش کا قابلِ تحسین پہلو یہ ہے کہ انہوں نے یہ کام بغیر کسی دکھلاوے کے کیا اور مجھے اس کا احساس تک نہ ہونے دیا کہ وہ کس طرح میری سوچ کو پختہ بنا رہے تھے۔ اصل میں وہ تربیت کے اُس فن سے بخوبی واقف تھے کہ جس سے ہم جیسے لوگوں کی مدد کی جا سکتی ہے۔ ہم نے جو کچھ ان سے حاصل کیا، انہوں نے اس کے بارے میں ہمیشہ یہ تاثر دیا کہ یہ سب کچھ ہماری اپنی محنت کا نتیجہ ہے۔

ہماری اس طرح تربیت کرنے کے لئے وہ اپنے بلند مقام سے نیچے آئے اور آہستہ آہستہ ہمارے مقام کو بلند کر کے، برابری کی سطح پر لے آئے۔ اور لطف کی بات یہ ہے کہ اتنی بڑی تبدیلی میں کسی دباؤ کا شائبہ تک نہ تھا۔ اگر کوئی ان کے اس طرزِ تربیت سے مستفید نہ ہونا چاہتا تو اسے چلے جانے کی مکمل اجازت تھی اور ایسا کرنے پر آپ کسی پر کبھی بھی خفا نہ ہوئے۔ دراصل ان کا یہ طرزِ عمل، اُن قرآنی تعلیمات کا عکس تھا، جو

انسان کی آزاد فطرت پر کسی قسم کے جبر کی اجازت نہیں دیتیں۔ پرویزؒ صاحب کا رویہ ہمیشہ دوستانہ رہا۔ اگر ان کی تربیت سے بھاگا ہوا کوئی بھی فرد واپس آ جاتا تو وہ اسے دوبارہ خوش آمدید کہتے۔ وہ اس کے اس طرزِ عمل کی شکایت تو کجا، اسے اس کا احساس تک نہ ہونے دیتے۔ ہائے افسوس! یہ مشفق دوست ایک سال پہلے ہمیں داغِ مفارقت دے گیا ہے۔ ان کا جسدِ خاکی زندگی کے آخری سفر پر روانہ ہوا تو میرے دل سے ایک چیخ سی نکلی کہ ہائے ہم نے کیسا بہترین دوست کھو دیا ہے۔ میرے نزدیک انہیں اس سے بہتر خراجِ عقیدت پیش نہیں کیا جا سکتا!

پرویزؒ صاحب عمر کا لحاظ کئے بغیر سب کے دوست تھے۔ وہ بچوں، جوانوں اور بوڑھوں کے ایک جیسے دوست تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ ملکہ عطا کیا تھا کہ وہ ہر عمر کے لوگوں کے ساتھ اُن کے مزاج کے مطابق گفتگو کر سکتے تھے۔ یہ ملکہ بہت کم لوگوں میں پایا جاتا ہے۔ مجھے اپنے ان اہلِ وطن پر ترس آتا ہے، جو پرویزؒ صاحب سے واقف نہ تھے، اس لئے وہ ان سے کوئی فیض حاصل نہ کر سکے۔ شاید انہیں علم نہیں کہ وہ کتنے گھاٹے میں رہے۔

میں اس موقع پر اس حقیقت کا اعلان کرنے میں فخر محسوس کرتی ہوں کہ آج جو میں اپنے پاکستانی اور مسلمان ہونے پر خوش ہوں تو یہ سب پرویزؒ صاحب کی وجہ سے ہے۔ یہ پرویزؒ صاحب ہی تھے جنہوں نے تحریکِ پاکستان پر مختلف سمتوں سے ہونے والے حملوں کا جواب دیا۔ اور درجنوں مقالات اور خطابات کے ذریعے یہ ثابت کیا کہ ہمیں یہ آزادی کی نعمت سید احمد خانؒ، علامہ اقبالؒ اور حضرت قائداعظمؒ کی کوششوں سے نصیب ہوئی ہے۔ مجھے تو یہ خدشہ تھا کہ اگر پرویزؒ صاحب اس طرح تحریکِ پاکستان کی تاریخ کو واضح نہ کرتے تو ہم اپنی کشتیوں کو جلا بیٹھتے۔ اور دوسرے غلط راستوں پر چل نکلتے۔ ہم میں سے بہت سے لوگ کام چور اور کم ہمت انسانوں کی طرح پاگل پن اور اندھے جذبات کا شکار ہو چکے ہوتے۔ نعرہ بازی آسان ہے اور اس سے فوری مقبولیت بھی حاصل ہو جاتی ہے، لیکن حقیقت کا سامنا کرنا، متوازن سوچ کا مالک ہونا اور مناسب طریقے سے کام کرنا، اپنی ناکامیوں کا اعتراف کرنا اور کسی انعام اور لالچ کے بغیر صبر آزما محنت کرنا، یہ ہمیں صرف پرویزؒ صاحب ہی سکھا سکتے تھے۔

پرویزؒ صاحب علم اور تجربے کے سمندر تھے اور سادگی کی ایک عمدہ مثال تھے۔ وہ علم اور ذہانت کی دنیا میں 'بونوں' کے مقابلے میں ایک 'دیو' کی مانند تھے۔ لیکن انہوں نے ہمیں کبھی اس امر کا احساس نہ ہونے دیا کہ وہ کتنے بڑے عالم ہیں۔ اُن کا وسیع مطالعہ اور اُسے مزید وسعت دینے کے لئے، آدھی آدھی رات تک ہر فنون کی کتابوں کا مطالعہ اور پھر اس طرح حاصل کردہ علم کی روشنی کو، شب و روز کی محنت سے دوسروں تک

پہنچانا اس بات کا بیّن ثبوت ہے، کہ انہوں نے نہایت ہی ایک بھرپور زندگی گزاری ہے۔ ان کی یہ خصوصیت ان کی چمکیلی آنکھوں میں دیکھی جا سکتی تھی۔ ان کی آنکھیں ایسی چمکیلی تھیں کہ ان جیسی چمک میں نے دوسری آنکھوں میں نہیں دیکھی۔

میں نے ابھی ابھی ان کی سادگی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اس کی کچھ وضاحت ہو جائے۔ مجھے ان کی کتابوں کی فہرست بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ آپ سب لوگ ان کتابوں سے بخوبی واقف ہیں۔ جو بات میں آپ کو بتانا چاہتی ہوں، وہ یہ ہے اور جس کے بارے میں انہوں نے ایک دن خود فرمایا تھا کہ میں نے کوشش کی ہے کہ آنے والے اہلِ علم کے لئے قرآنِ حکیم پر تحقیقی کام کرنے کو آسان بنا جاؤں۔ اس لئے اب تک جو کچھ میں نے کیا ہے، اُسے اس کام کی ابتداء سمجھو۔ میں ان کی اس بات پر بھونچکّا سی رہ گئی اور جذباتی انداز میں ان سے مخاطب ہوئی کہ آپ نے تو قرآنِ مجید پر، بہت سا تحقیقی کام کیا ہے لیکن وہ اپنی روایتی متانت اور کسرِ نفسی سے مسکرا دیئے۔ وہ میری باتوں پر عام طور پر اسی طرح مسکرا دیتے تھے۔

میں نے ان سے بار بار یہ تقاضا کیا کہ عوام النّاس کو یہ بتانا ضروری ہے کہ آپ نے تحریکِ پاکستان کے لئے کیا کیا خدمات انجام دی ہیں اور اس ناشکر گزار قوم کو یہ علم ہونا چاہیئے کہ آپ کے قائدِ اعظمؒ سے کس نوعیت کے تعلقات تھے۔ آخر ایک دن میرے مطالبے سے تنگ ہو کر، انہوں نے فرمایا کہ شمیم بیٹی یاد رکھو کہ کسی بھی عمارت کی بنیادیں کبھی نظر نہیں آتیں۔ حالانکہ عمارت کا نظر آنے والا ڈھانچہ، اسی بنیاد پر قائم ہوتا ہے اس سے مجھے خفّت سی ہوئی کہ میں کس ہستی سے پبلسٹی اور شہرت کا تقاضا کر رہی ہوں

ایک دوسرے ہی ایسے موقع پر مجھے اسی طرح شرمسار ہونا پڑا۔ میں تحریکِ پاکستان کی نظریاتی تاریخ پر ایک مبسوط علمی مقالہ لکھ رہی تھی۔ میں نے اس مقالے میں پرویز صاحب کو طلوعِ اسلام کے ایڈیٹر اور قائدِ اعظمؒ کے مشیر کی حیثیت سے نمایاں جگہ دی۔ لیکن جب انہوں نے اس مقالے پر نظر ڈالی تو اسے پسند نہ کیا اور فرمایا کہ اچھا اب آپ کے جذبات کی تسکین ہو گئی ہے۔ میں کہنا چاہتی تھی کہ وہ اس مقام کے حقدار ہیں، لیکن الفاظ میرے حلق میں اٹک کر رہ گئے۔ مجھے محسوس ہوا کہ میں ذہنی طور پر اس تیزی سے ترقی نہیں کر رہی تھی جیسی کہ وہ چاہتے تھے۔ مجھ میں ابھی تک ناپختگی تھی۔

میں نے کالج میں تدریس کا کام، آج سے تیس سال پہلے شروع کیا تھا۔ اس لمبے عرصے پر نظر دوڑاتی ہوں تو حیران ہوتی ہوں۔ کہ اگر میں نے طلوعِ اسلام کے لٹریچر کا مطالعہ نہ کیا ہوتا تو میں کیا کرتی۔ کیونکہ ابتداء ہی میں محض چند ہفتوں کی تدریس کے بعد میں نے محسوس کر لیا تھا کہ بغیر مقصد کے اچھا استاد نہیں بنا جا سکتا۔ اس مقصد کے لئے کسی نظریے کا تعیّن

ضروری ہے۔ اسی الجھن میں، میں نے تعلیم کے پیشے کو خیرباد کہنے کا فیصلہ کر لیا لیکن بعد میں پرویزؒ صاحب کے لٹریچر نے میری یہ الجھن دُور کر دی۔ میں نے پرویزؒ صاحب سے، کہ جب آپ بسترِ مرگ پر تھے اس حقیقت کا ذکر کیا کہ ان کی کتابوں نے مجھے تدریس کے کام میں مدد دی اور مجھے ایک استاد بنا دیا۔ تو اس سے ان کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو نمودار ہوئے۔ یہ ایک ایسا نظارہ تھا جسے میں زندگی بھر نہیں بھول سکوں گی۔

ان کی زندگی کے آخری دنوں سے یاد آیا کہ جب ان دنوں میں روزانہ، ان کی خیریت دریافت کرنے کے لئے آتی تھی، تو بس ایک ہی خیال تھا جو ان کے ذہن پر چھایا ہوا تھا اور اس کا انہوں نے بار بار ذکر کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ انسان کی شخصیت اور ذات کو اس کے افکار سے ہمیشہ علیحدہ تصور کرنا چاہیئے۔ کوئی بھی آدمی اس کے افکار کو کتنا ہی بُرا کیوں نہ سمجھے، اسے اس کی ذات اور شخصیت کی عزت کرنی چاہیئے۔ لیکن ہمارے ہاں صورتِ حالات بالکل مختلف ہے۔ یہاں انسان کو اس کے افکار کی وجہ سے ذلیل کیا جاتا ہے۔ پھر آپ نے نہایت ہی غمگین لہجے میں فرمایا کہ ہمارے نبی حضرت محمد صلعم خوش قسمت تھے کہ زمانۂ جاہلیت کے عرب آپؐ کی شخصیت اور آپ کی تعلیمات کے درمیان فرق کر سکتے تھے۔ وہ انکی تعلیمات کا انکار کرنے کے باوجود انہیں صادق و امین مانتے تھے۔

ایسا محسوس ہوتا تھا کہ کسی نے انہیں تکلیف پہنچائی تھی۔ میں نہیں جانتی کہ وہ بدبخت کون تھا لیکن یہ چیز میرے لئے سوہانِ روح بن گئی۔ اس کے مقابلے میں مجھے ایک واقعہ بھی یاد ہے کہ جب پرویزؒ صاحب نے کسی کے بارے میں توہین آمیز الفاظ زبان سے نکالے ہوں۔ وہ ہر انسان کی عزت کرتے تھے اور کبھی بھی کسی کی بدگوئی نہ کی۔ وہ جن لوگوں سے علمی اختلاف کرتے یا ان کے خیالات پر تنقید کرتے تو اس مقصد کے لئے نہایت ہی باوقار طریقہ اختیار کرتے، چاہے وہ خصوصی دوستوں کی نجی محفل ہی کیوں نہ ہوتی۔ ایسے معیاری حیثیت کے انسان کی تربیت ہی لوگوں کو با اخلاق اور خوبصورت بناتی ہے۔ میں ان میں سے بہت سے لوگوں کو نہیں جانتی۔ لیکن اس وقت میرے ذہن میں کچھ ایسے لوگوں کے نقوش ابھر رہے ہیں جن میں محترمہ ثریا عندلیب، ڈاکٹر زاہدہ درّانی، ڈاکٹر صلاح الدین اور ڈاکٹر عبدالودود صاحب شامل ہیں۔ پرویزؒ صاحب اپنے تربیت یافتہ شاگردوں کی ایک اچھی بھلی تعداد چھوڑ گئے ہیں۔

ایسے عظیم انسان کی اگر زباں بندی کر دی جائے یا اس کے اردگرد جہالت کا پردہ تان لیا جائے، تو یہ انسانیت کے خلاف ایک بہت بڑا جُرم ہے۔ جس نے بھی اُن پر یہ پابندی لگائی اور ذرائع ابلاغ سے انہیں دور رکھا تو اس نے یہ نہایت ہی خطرناک فیصلہ کیا۔ اس سے مجھے علامہ اقبالؒ کی "ابلیس کی مجلس شوریٰ" کی کارروائی، بڑی اچھی طرح سمجھ میں آگئی۔ کہ پاکستان کا مفاد پرست طبقہ نہ تو مغربی جمہوریت سے خائف ہے اور نہ ہی کمیونزم سے وہ

صرف قرآنِ مجید سے ڈرتا ہے۔ مثلاً وہ مشہور ترقی پسند شاعر فیض کے وجود سے نہیں گھبراتے (اس مثال سے میں فیض صاحب کا مرتبہ نہیں گرانا چاہتی، میرے دل میں ان کی بڑی عزت ہے) لیکن وہ پرویز صاحب سے خائف تھے۔ نہ تو ان کی زندگی میں اور نہ ہی انکی وفات کے بعد، ادارہ طلوعِ اسلام کو پبلک ہال بنانے کی اجازت دی گئی۔ پرویز صاحب کے مخالف کتنے نا سمجھ ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ اس طرح وہ پرویز صاحب کی شخصیت کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ کسی کے افکار کو کبھی قید نہیں کیا جا سکتا۔ یہ افکار تو مزید پھیلتے ہیں اور انجام کار ایک اجتماعی انسانی سرمایہ بن جاتے ہیں۔ کسی مثبت تصورِ حیات کو قتل کرنا، اپنے آپ کو قتل کرنے کے برابر ہے۔ یہ افکار کے اظہار پہ پابندیاں اور زبان بندیاں، انجام کار اپنی موت آپ مرجاتی ہیں۔

اپنی تقریر ختم کرتے ہوئے میں اس دُکھ کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکتی کہ آج مجھے پرویز صاحب کے بارے میں ماضی کا صیغہ استعمال کرنا پڑا، جو میرے لئے خاصا تکلیف دہ تھا۔ میں اپنے اس احساس کا اظہار جذبات کی رَو میں بہہ کر نہیں کہہ رہی، لیکن اب تو یہ حقیقت ہے کہ پرویز صاحب ہمارے شاندار ماضی کا ایک حصّہ بن چکے ہیں۔ ویسے بھی ہماری مردہ سوسائٹی کی تمام اچھی اور عظیم چیزوں کا تعلق ماضی سے ہے اگرچہ مجھے یہ طرزِ فکر اچھا نہیں لگتا کیونکہ ہماری زیادہ توجہ حال کی طرف ہونی چاہیئے، تاہم یہ کتنا خوشگوار منظر تھا کہ ایک سال پہلے پرویز صاحب اچھائی اور عظمت کے روپ میں، ہمارے سامنے ایک زندہ حقیقت کے طور پہ موجود تھے۔ اب نظریں اس جیسی شخصیت کو ڈھونڈتی ہیں لیکن مایوس ہو کر لوٹ آتی ہیں۔ علامہ اقبالؒ نے کیا خوب ہی فرمایا ہے۔ ؎

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

(مس شمیم انور)

خریدار صاحبان متوجہ ہوں

خط و کتابت کرتے وقت اپنا خریداری نمبر ضرور لکھیں۔ اکثر اوقات ادارہ ہذا کے نام جو منی آرڈر موصول ہوتے ہیں ان کے کوپنز (COUPONS) پر خریدار کا مکمل پتہ نہیں لکھا ہوا ہوتا۔ اس کا خاص خیال رکھا جائے تاکہ تعمیل میں بلاوجہ تاخیر نہ ہو۔ (۲) پرچہ نہ ملنے کی اطلاع خریدار ماہ رواں کی پندرہ تاریخ تک بھیج دیں۔ اسی صورت میں ہی پرچہ دوبارہ ارسال کیا جائے گا۔ (۳) جواب طلب امور کیلئے جوابی لفافہ ارسال کریں۔

ناظم ادارہ طلوعِ اسلام

عائلی قوانین کے خلاف علماء کو استعمال کرنیکی عیّارانہ کوشش

سیاسی سرگرمیوں کی بحالی کے ساتھ ہی قرآن اکیڈیمی والے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے عائلی قوانین کے خلاف ایک منظم تحریک شروع کر دی۔ اس تحریک سے ان کا مقصد سستی شہرت حاصل کرنا تھا اس لئے سنجیدہ طبقے نے اس کا اچھا اثر نہ لیا، بلکہ بعض حلقوں کی جانب سے اس کی مذمت کی گئی۔ پڑھی لکھی عورتوں نے تو اس کے خلاف ایک باقاعدہ جلوس نکالا۔ اس تحریک کے سلسلے میں ایک اخبار روزنامہ جنگ، ڈاکٹر صاحب سے تعاون کر رہا تھا۔ اس اخبار نے، اُن کے بیانات کے علاوہ، عائلی قوانین کے خلاف ڈاکٹر صاحب کا ایک مفصل انٹرویو بھی چھاپا۔ طلوعِ اسلام کے پچھلے شمارے میں، اس کے حوالے سے ڈاکٹر صاحب کی اسلامی معلومات کا بھانڈا پھوڑا جا چکا ہے۔

اخبارات والوں کو اپنا مفاد عزیز ہوتا ہے۔ جب اس اخبار کو احساس ہوا، کہ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی اس مہم کی تائید کی وجہ سے، سنجیدہ طبقے اور پڑھی لکھی عورتوں میں اس کے خلاف ایک غلط تاثر پیدا ہو چکا ہے، تو اس تاثر کو ختم کرنے کے لئے اس نے سارے مولویوں کو قربانی کا بکرا بنایا اور اپنی ۲۸ مارچ ۱۹۸۶ء کی اشاعت میں ایک انگریزی مضمون شائع کیا۔ جس میں یہ تفصیلات پیش کی گئیں کہ مولوی حضرات، ملک میں فساد پھیلا رہے ہیں اور اس کی تائید میں ایک اشتہار کی فوٹو کاپی بھی شائع کی ہے۔ جس کا عنوان ہے :-

دینِ مُلّا فی سبیل اللہ فساد

اس عنوان سے قارئین خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس انگریزی مضمون میں کیا ہوگا۔

اس صورتِ حالات سے نپٹنے کے لئے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے ایک نئی چال چلی ہے۔ اور اس مقصد کے لئے علماء کے ایک متحدہ محاذ کی تجویز پیش کی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ نئی صورتِ حالات میں علماء کو اپنے مقاصد کے لئے استعمال کیا جائے، ان کی اس عیّارانہ چال کا تجزیہ قارئینِ طلوعِ اسلام کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔ تاکہ مولوی حضرات اس سے اپنے آپ کو محفوظ کر سکیں۔

ملکِ عزیز میں درجنوں چھوٹی بڑی مذہبی جماعتیں موجود ہیں۔ یہ جماعتیں قیامِ پاکستان سے ہی

ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ کا مطالبہ کر رہی ہیں، مختلف حکومتوں نے اس سلسلے میں جو اقدامات اٹھائے۔ ان کے نزدیک وہ اطمینان بخش نہ تھے۔ تاہم پچھلے ساڑھے آٹھ سالوں کے دوران مارشل لاء حکام نے اسلامی نظام کے سلسلے میں جو پیش رفت کی، اس سے وہ خوش تھے۔ یہاں تک کہ بعض علماء نے مارشل لاء کو ایک اسلامی ادارہ ثابت کرنے کی کوشش کی اور یہ دعوے کیا کہ اسلام میں سب سے پہلا مارشل لاء (معاذ اللہ) خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہٗ نے نافذ کیا تھا۔ پچھلے سال ہی ہم نے علماء کا یہ شہ پارہ، طلوع اسلام کے صفحات میں نقل کر دیا تھا۔

تاہم مارشل لاء کو، چونکہ عوامی تائید حاصل نہیں ہوتی اس لئے جلد یا بدیر، اس کی بساط لپیٹ دی جاتی ہے۔ چنانچہ، پاکستان کا تیسرا مارشل لاء ۳۱ دسمبر ۱۹۸۵ء کو اٹھا لیا گیا۔ جس کے نتیجے میں ملک میں جمہوری عمل شروع ہو گیا تو علماء نے اپنے پچھلے طرزِ عمل کے برعکس، مارشل لاء حکام پر یہ الزام لگانا شروع کر دیا، کہ وہ نظامِ اسلام کے قیام کے سلسلے میں مخلص نہیں ہیں اور حیرت کی بات یہ ہے، کہ مارشل لاء کے خلاف اس نئی تحریک میں وہ علماء بھی پیش پیش ہیں، جنہوں نے مارشل لاء کو اسلامی ادارہ ثابت کرنے کے لئے اسلامی تاریخ سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر مثالیں پیش کی تھیں۔ ان علماء نے ۱۳ مارچ ۱۹۸۶ء کو جامعہ اشرفیہ لاہور میں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کیا۔ جس میں مارشل لاء حکام پر یہ الزام لگایا گیا کہ اسلامی نظام کے نفاذ کے سلسلے میں انہوں نے تاخیری حربوں سے کام لیا ہے۔ اس پریس کانفرنس کی تفصیلات چودہ مارچ کے قومی اخبارات میں چھپ چکی ہیں۔

مارشل لاء حکام کو موردِ الزام ٹھہرانے کے بعد، ان حضرات نے موجود حکومت سے مطالبہ کیا کہ اس ناکامی کی تلافی کے لئے فوری طور پر شریعت گروپ کی طرف سے سینٹ میں پیش کردہ شریعت بل کو پاس کرائے۔ اس مطالبہ پر زور دینے کے لئے دوسرے دن لاہور سے علماء کے جلوس نکالے گئے اور دوسرے شہروں سے اس مقصد کے لئے ابھی تک جلوس نکالے جا رہے ہیں۔

یہ مطالبہ جماعتِ اسلامی سمیت، دیوبندی مسلک کے علماء کی جانب سے پیش کیا گیا، جس کی بریلوی مکتبِ فکر کے لوگوں نے سخت مخالفت کی، بلکہ انہوں نے یہ الزام بھی لگایا کہ یہ جلوس، اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے نہیں، بلکہ چوتھے مارشل لاء کی راہ ہموار کرنے کے لئے نکالے جا رہے ہیں۔ انہوں نے یہ الزام ان حضرات کے تیسرے مارشل لاء کے ساتھ دوستانہ رویّہ کی بناء پر لگائے ہیں۔ (ملاحظہ ہو روزنامہ امروز لاہور بابت ۶ اپریل ۱۹۸۶ء)

اس صورتِ حالات سے فائدہ اٹھانے کے لئے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے، ان علماء سے یہ اپیل کی ہے کہ وہ کچھ عرصے کے لئے اپنے سیاسی اختلافات بھول جائیں اور اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے متحدہ دینی محاذ قائم کریں۔ اس سلسلے میں انہوں نے تجویز کیا ہے، کہ اختلاف سے بچنے کے لئے

پہلے صرف ان دینی مسائل کو لیا جائے جن پر سب کا اتفاق ہے، ایسے مسائل تو بہت سے ہیں اور اگر اس تجویز پر دیانتداری سے عمل کیا جائے تو اس سے مفید نتائج حاصل ہو سکتے ہیں لیکن ڈاکٹر اسرار احمد صاحب تو ان علماء کو اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرنا چاہتے ہیں اس لئے انہوں نے اپنی تجویز کے ساتھ یہ اشارہ بھی دیا کہ عائلی قوانین مجریہ ۱۹۶۱ء کے خلافِ اسلام ہونے پر علماء کا اتفاق ہے، اس لئے ان کے خلاف تحریک چلائی جائے۔

عائلی قوانین کے سلسلے میں طلوعِ اسلام کے صفحات پر بار بار یہ واضح کیا جا چکا ہے کہ ان میں اگرچہ اصلاح کی گنجائش ہے، لیکن ان میں قرآن و سنّت کی واضح تعلیمات کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں۔ خیال تھا کہ قرآن اکیڈمی کے ڈائریکٹر صاحب قرآن و حدیث کے حوالے سے ان قوانین میں اسلامی تعلیمات کے خلاف باتوں کی نشاندہی کریں گے لیکن انہوں نے اپنے ماہناموں میں اس بارے میں ایک دلیل بھی پیش نہیں کی۔ بس پروپیگنڈہ کئے جاتے ہیں کہ پاکستان کے سارے علماء ان کے خلاف ہیں۔ ہم نے ان کی تسلّی کے لئے ان کے مرشدِ اوّل کی کتاب "حقوق الزّوجین" سے اقتباسات پیش کر کے، یہ ثابت کیا تھا کہ عائلی قوانین اور حقوق الزوجین دونوں کی اصل ایک ہے، جب یہ قوانین مصر میں ۱۹۲۹ء میں نافذ ہوئے تھے تو ساری دنیا کے علماء نے ان کی تعریف کی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ مودودی صاحب نے انہیں "حقوق الزّوجین" کے نام سے اردو قارئین کی خدمت میں ایک کتابی صورت میں پیش کر دیا۔ جو ڈاکٹر اسرار صاحب نے جو کئی سال تک جماعتِ اسلامی کے سرکردہ لیڈر رہے ہیں، اس کے خلاف ایک لفظ تک نہ کہا لیکن جب حکومت نے انہی قوانین کو پاکستان عائلی قوانین کے نام سے نافذ کیا تو اس کے پیچھے پڑ گئے۔

متحدہ دینی محاذ کی تجویز کی ہم نے اصولی طور پر حمایت کی ہے اور اس طرف اشارہ کیا تھا، کہ ہمارے بہت سے مسائل ایسے ہیں جن پر علمائے اُمّت کا اتفاق ہے۔ ان میں سے ایک اسلامی ریاست کا مالیاتی نظام ہے، جس کے بارے میں علّامہ عبدالوہاب الشعرانی نے دعویٰ کیا کہ اُمّتِ مسلمہ کے تمام بڑے علماء کا اس کی تفصیلات پر اتفاق ہے۔

(المیزان الکبریٰ جلد دوم ص۳)

ہمارے علماء کی جانب سے یہ دعویٰ تو بار بار کیا جاتا ہے کہ اسلام ایک مکمّل ضابطۂ حیات ہے اور جب یہ دعویٰ ایک حقیقت ہے تو پھر اسلام کا اپنا ایک مالیاتی نظام بھی ہونا چاہیئے، لیکن ان حضرات نے اس کی تفصیلات بتانا تو کجا، کبھی اس کے خدوخال کی طرف بھول کر بھی اشارہ تک نہیں کیا۔ دراصل اسلام کے مالیاتی نظام کو اپنانے سے، غیر حاضر زمینداری نظام کا خاتمہ ہوتا ہے اور یہ حضرات زمیندار طبقے کو ناراض نہیں کرنا چاہتے۔ اس لئے اس بارے میں انہوں نے واضح اسلامی احکامات کے بارے میں، عجیب و غریب رویّہ اختیار کر رکھا ہے، کبھی تو وہ غیر حاضر زمینداری نظام کو جائز قرار دے دیتے ہیں۔ اور جب بے زمین مزارعوں کے

ووٹوں کی ضرورت ہوتی ہے تو اسے حرام قرار دے دیا جاتا ہے۔

اس کی وضاحت، ان کی اس بارے میں عملی مثال سے ہوگی جو انہوں نے قومی اتحاد کے منشور میں پیش کی تھی۔ اس منشور کے صـ۱۶ پہ غیر حاضر زمینداری کے نظام کو شریعتِ اسلامی کے خلاف قرار دیا گیا اور یہ وعدہ کیا گیا، کہ قومی اتحاد برسرِ اقتدار آنے کے بعد اس خلافِ اسلام نظام کو ختم کر دے گا۔ اور اس اسلامی اصول کو رائج کرے گا کہ زمین اسی کی ہوگی، جو اس میں کاشت کرے گا۔ قومی اتحاد نے اس مسئلہ کو اتنی اہمیت دی کہ انہوں نے ان بے زمین مزارعوں کو خوش کرنے کے لئے 'ہل' ہی کو اپنا نشان بنا دیا۔ قومی اتحاد کا یہ منشور ملک کے تمام مشہور اخبارات میں لفظ بلفظ شائع ہوا اور کسی عالمِ دین نے اس پر اعتراض نہ کیا۔ ایک طرح سے اس پر اجماعِ سکوتی قائم ہوگیا۔

لیکن بڑے دُکھ کی بات ہے کہ جب قومی اتحاد کی تحریک کامیاب ہوئی تو اس میں شامل تمام دینی جماعتیں قوم سے کیا ہوا اپنا وعدہ بھول گئیں، غیر حاضر زمینداری نظام کو ختم کرنے کے لئے اقدامات اٹھانا تو کجا، انہوں نے دوبارہ اسے جائز اور اسلامی قرار دے دیا۔ اور یہی وجہ ہے کہ وہ اسلام کو ایک مکمل ضابطۂ حیات تسلیم کرنے کے باوجود اسلام کے مالیاتی نظام کا نام نہیں لیتے۔ دوسروں کو تو چھوڑیئے، جماعتِ اسلامی جس نے اپنے دعوے کے مطابق، اسلامی لٹریچر سے الماریاں بھر دی ہیں، اس نے اس موضوع پہ کوئی کتاب پیش کرنا تو کجا، ایک مقالہ تک پیش نہیں کیا۔

اسلام کے مالیاتی نظام کے نفاذ کے ساتھ ہی، موجودہ زمیندار طبقہ، مزارعوں سے جو بٹائی وصول کرتا ہے، اس سے وہ محروم ہو جائے گا، یہ حصہ تو اسلامی بیت المال میں جمع ہوتا ہے جس سے حکومت کے اخراجات پورے کئے جاتے ہیں، کیونکہ اسلام میں کسی دوسرے دنیاوی ٹیکس لگانے کی اجازت نہیں۔

ڈاکٹر اسرار صاحب اگر اسلامی نظام کے نفاذ کے سلسلے میں مخلص ہیں، تو انہیں سب سے پہلے اسلام کے اس متفقہ مسئلہ کو لینا چاہیئے۔ اسلام کے مالیاتی نظام کے اپنانے سے ہمارے معاشرے کی معاشی زندگی میں ایک ایسا انقلاب آجائے گا کہ جس سے ملک میں مکمل اسلامی نظام کے نفاذ کی راہ ہموار ہو جائے گی۔ عائلی قوانین کے خلاف مہم سے انہیں کچھ حاصل نہ ہوگا۔

(محمد ارشاد)

شریعتِ اسلامی اور آنکھوں کی پیوندکاری

ان دنوں ہمارے علماء کے درمیان، اس موضوع پر بحث چھڑی ہوئی ہے کہ کیا شریعتِ اسلامی، آنکھوں کی پیوند کاری کی اجازت دیتی ہے۔ پیوند کاری کا مطلب یہ ہے کہ کسی اندھے انسان کو، کسی مرنے والے انسان کی آنکھیں پیوند کر کے اس کی بینائی بحال کر دی جائے بشرطیکہ مرنے والا انسان اپنی آنکھوں کو اس طرح استعمال کرنے کی وصیت کر جائے۔

اس بحث کا آغاز، صدرِ پاکستان کی اس اپیل کے نتیجے میں ہوا جو پچھلے ماہ (مارچ ۱۹۸۶ء) انہوں نے آنکھوں کے تحفے اکٹھے کرنے والی قومی سوسائٹی کے سالانہ جلسے کے موقع پر ایک پیغام کے ذریعے کی۔ انہوں نے فرمایا کہ بعض علماء کو جو اس بارے میں یہ غلط فہمی ہے۔ کہ ایسا کرنا شریعتِ اسلامی کے خلاف ہے تو یہ محض غلط فہمی پر مبنی ہے۔ اور وہ ان کی یہ غلط فہمی دُور کرنے کے لئے تیار ہیں۔ اور اسی مقصد کے لئے وہ اپنی آنکھوں کے عطیے کا پہلے ہی اعلان کر چکے ہیں۔ علماء کے ایک طبقے نے صدرِ پاکستان کے اس بیان پر سخت ناراضگی کا اظہار کیا ہے۔ اُن کا اصرار ہے کہ ایسا کرنا شریعتِ اسلامی کی رُو سے جائز نہیں ہے۔ کیونکہ موت کے بعد بھی انسان کا جسم قابلِ تکریم ہے اور اس کی آنکھیں یا جسم کا کوئی حصّہ نکالنے سے اس کی بے حرمتی ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں علماء کے جو مخالفانہ بیانات اخبارات میں چھپ رہے ہیں، وہ اُن کی تائید میں مودودی صاحب کا ایک فتویٰ نقل کر رہے ہیں۔ حیرت کی بات ہے کہ خود جماعتِ اسلامی والوں نے صدر صاحب کی اس اپیل کے خلاف ایک لفظ تک نہیں کہا۔ مودودی صاحب نے اپنے فتویٰ میں یہ استدلال کیا ہے کہ اگر اس طرح آنکھوں یا جسم کے دوسرے حصّوں کی پیوند کاری کا رواج چل نکلا، تو پھر زندہ انسانوں کے اعضاء کی خرید و فروخت شروع ہو جائے گی۔

آج سے چار سال پہلے یعنی ۱۹۸۲ء میں بھی ہمارے قومی اخبارات میں ایسی بحث چلی تھی۔ اس کی ابتداء اس سے ہوئی تھی کہ ہمارے ایک دوست مُلک سری لنکا نے اہلِ پاکستان کے لئے بہت سی انسانی آنکھوں کا تحفہ بھیجا۔ خیال رہے کہ سری لنکا کی آبادی کی اکثریت بُدھ مت کے

پیروکاروں پر مشتمل ہے۔ جن کا عقیدہ یہ ہے۔ کہ ہر انسان اس دنیا میں بھی اور موت کے بعد بھی دُکھی انسانیت کی خدمت کرے۔ اس لئے وہ موت سے پہلے وصیت کر جاتے ہیں کہ ان کے جسموں کے مختلف حصّے دوسرے انسانوں کے جسموں میں پیوند کرکے، ان کے دُکھوں کو دُور کیا جائے سری لنکا سے جو آنکھیں موصول ہوئیں، انہیں پاکستان کے تقریباً یکصد نابیناؤں کی آنکھوں میں پیوند کر دیا گیا۔ جس سے ان کی بینائی بحال ہوگئی۔ اپنی بینائی کی بحالی کے بعد، ان نابینا لوگوں نے جو بیانات دیئے، اُن سے ہمارے مُلک کے نیک لوگ بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ اور انہوں نے اپنی آنکھوں کے عطیئے دینے شروع کر دیئے۔ ہمارے علماء نے اس صورتِ حالات، کو ناپسند کیا اور اس کی مخالفت میں مودودی صاحب کے فتویٰ کو پیش کیا۔ خیال رہے کہ اس وقت جماعت اسلامی کے اہلِ قلم بھی اس مخالفت میں پیش پیش تھے، لیکن آج وہ کسی مصلحت کی وجہ سے خاموش ہیں۔ حد تو یہ ہے کہ اس وقت کی اسلامی نظریاتی کونسل کے چیئرمین ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن نے بھی ان علماء کی تائید کی اور آنکھوں کی پیوندکاری کے شریعتِ اسلامی میں ناجائز ہونے کے بارے میں ایک مضمون انگریزی اخبار روزنامہ پاکستان ٹائمز میں شائع کرایا۔ یہ مضمون اسلامی فقہ کی کتابوں کا مطالعہ کئے بغیر، محض علماء کی خوشنودی کی خاطر لکھا گیا تھا۔ اہل علم نے اسلامی نظریاتی کونسل کے چیئرمین صاحب کی علمی قابلیت کا بھانڈا پھوڑ کر ان کے مضمون کو خلافِ اسلام ثابت کر دکھایا۔ اور یہ واضح کر دیا کہ اسلام جو خود روشنی ہے، وہ نابیناؤں کی روشنی کی بحالی کو استحسان کی نظر سے دیکھتا ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صدرِ پاکستان اس بحث کا گہری نظر سے مطالعہ کر رہے تھے، انہوں نے اس بحث کے دوران ہی، اپنی آنکھوں کے عطیے کے طور پر دینے کا اعلان کر دیا۔ اُن کے اس فیصلے نے اسلامی نظریاتی کونسل کے سابق چیئرمین صاحب کو عجیب مخمصے میں ڈال دیا، کہ خود حکومت کا سربراہ اُن کے فتویٰ کو کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ چنانچہ صدرِ پاکستان کے فیصلے کے ایک ہفتے کے بعد ہی انہوں نے روزنامہ پاکستان ٹائمز میں ہی اپنا تردیدی مضمون شائع کروا دیا اور اب فقہ کی مستند کتابوں کا حوالہ دے کر آنکھوں کی پیوندکاری کو جائز ثابت کر دکھایا۔ پاکستان ٹائمز کے کچھ قارئین نے سابق چیئرمین صاحب کے اس طرزِ عمل پر نکتہ چینی بھی کی کہ ایک ہی معاملہ جو ایک ماہ پہلے حرام تھا، اب کیسے جائز ہوگیا۔ لیکن انہوں نے خاموش رہنے ہی میں عافیت سمجھی۔

اعضاء کی پیوندکاری کا مسئلہ آج سے ستر سال پہلے، مصری علماء کی ایک مجلس میں پیش کیا گیا تھا۔ اُس وقت کے ایک روشن خیال عالمِ دین، علامہ رشید رضا نے اس مسئلہ پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ مسئلہ ہمارے لئے نیا نہیں۔ فقہائے کرام نے صدیوں پہلے اسے حل کر دیا تھا۔ یہاں تک کہ انہوں نے اس مقصد کے لئے انسانی اعضاء کی خرید و فروخت کی بھی اجازت دے دی تھی۔ شرط یہ تھی کہ اس سے انسانیت کو فائدہ پہنچے۔ اس کی تائید میں انہوں

حنبلی مذہب کے امام ابن قدامہ کا یہ فتویٰ پیش کیا تھا :-

" اور انسان کے تمام اعضاء کی فروخت جائز ہے کیونکہ (آخر علماء) لونڈی اور غلام کی فروخت کو بھی تو جائز قرار دیتے ہیں ..... ہاں زندہ انسان کے جسم سے کاٹے ہوئے عضو کی فروخت کی اجازت نہیں کیونکہ اس سے نفع نہیں ہوتا "

(المغنی لابن قدامۃ جلد چہارم ص ۲۶۰)

علامہ رشید نے، فقہ کی اس معتبر کتاب کو زمانۂ جدید کے معیارِ تحقیق کے مطابق دوبارہ مرتب کرا کے شائع کرایا تھا۔ وہ اس فتویٰ کے نیچے اپنے ایک نوٹ میں یوں لکھتے ہیں :-

" یعنی انسان کے اعضاء کی فروخت، اُس وقت جائز ہے، جب ان سے نفع اٹھایا جا سکے۔ اور یہ ہمارے زمانے میں ممکن ہے۔ جب کہ انسانی جسم کی جلد سے ایک ٹکڑا کاٹ کر اُس سے بدن کے دوسرے حصّے میں پیوندکاری کر دی جاتی ہے " (ایضاً)

دورِ جدید میں میڈیکل سائنس نے مصیبت زدہ انسانوں کو دائمی دُکھ اور تکلیف سے بچانے کے لئے مردہ انسانوں کے اعضاء کو ضرورتمند زندہ انسانوں کے جسموں میں پیوندکاری کا کامیاب طریقہ دریافت کیا ہے۔ اس مقصد کے لئے ضروری ہے کہ مرنے والے لوگ اپنی موت سے پہلے، اپنے اعضاء کو اس طرح استعمال کرنے کی اجازت دے جائیں۔ یہ اعضاء ویسے بھی انسان کی موت کے کچھ عرصہ بعد فنا ہو جاتے ہیں، لیکن اگر کسی مرنے والے نے اپنے ان اعضاء کے عطیے سے کسی دوسرے دُکھی انسان کی مصیبت دُور کر دی تو اس کا یہ کام اللہ تعالیٰ کے نزدیک ضرور اجر کا مستحق ہوگا۔

اسلام نے ایک بھی انسانی جان کو ہلاکت اور بربادی سے بچانے کو ایک بہت بڑی نیکی اور تمام انسانیت کے ساتھ احسان قرار دیا ہے۔ سورۃ المائدہ کی آیت نمبر ۳۲ میں ارشادِ ربانی ہے :-

مِنْ أَجْلِ ذَٰلِكَ ۚ كَتَبْنَا عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنَّهُ مَن
قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا
قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا ۚ وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا ۳۲

ترجمہ :- چنانچہ اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل کی طرف یہ تاکیدی حکم بھیجا تھا کہ دیکھو! جو شخص کسی دوسرے کو قتل کر ڈالے۔ بجز اس کے کہ وہ جرمِ قتل کے قصاص میں ہو، یا ملک میں فساد بپا کرنے والے مجرمین کو قانون کے مطابق موت کی سزا دی جائے، اس قسم کے بے گناہ قتل کے متعلق یوں سمجھو گویا اس شخص نے (ایک فرد کو قتل نہیں کیا) پوری نوعِ انسانی کو قتل کر دیا۔ اس کے برعکس جس شخص نے کوئی ایک جان بچائی تو اس نے گویا نوعِ انسانی کو بچا لیا۔

(مفہوم القرآن جلد اوّل ص ۲۵۰)

پچھلے سال انسانی آنکھوں اور دوسرے اعضاء کی پیوندکاری کا مسئلہ رابطہ العالم الاسلامی مکّہ مکرّمہ کے سامنے پیش کیا گیا، رابطہ نے یہ مسئلہ اپنے ایک ذیلی ادارے، فقہ اکیڈیمی کے سپرد کر دیا تاکہ اس کے اراکین اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اس پر بحث کر کے اپنے نتائجِ فکر سے رابطہ کو مطلع کریں۔ چنانچہ فقہ اکیڈیمی میں اس مسئلہ پر بھرپور بحث ہوئی۔ اور اس کے خلاف اور اس کی تائید میں علماء نے اپنے اپنے دلائل دیئے۔ بحث کو سمیٹتے ہوئے اکیڈیمی کے ڈائریکٹر ڈکٹور طلال نے فیصلہ دیا کہ جن علماء نے اعضاء کی پیوندکاری کے جواز کے بارے میں استدلال کیا ہے، ان کا مسلک قابلِ ترجیح ہے۔ اُن کا استدلال یہ ہے کہ زندہ انسان کے جسم کا کوئی حصّہ لے کر، دوسرے انسان کی زندگی بچانے کے لئے، اس میں پیوند کر دینا یا اس کے کسی ناکارہ عضو کو، قابلِ کار بنانا، شریعتِ اسلامی میں جائز ہے۔ اور ایسا کرنا انسانی جسم کی کرامت کے خلاف نہیں ہے اور نہ ہی اس سے اس کی بے حرمتی ہوتی ہے۔ کیونکہ اس میں تو ایک بڑی مصلحت ہے، اور جس مصیبت زدہ انسان کی جان بچائی جا رہی ہے، اس کی اچھی مدد ہے، تاہم اس مقصد کے لئے مندرجہ ذیل شرائط کی پابندی لازمی ہے۔

۱۔ جس زندہ شخص کا عضو استعمال کیا جا رہا ہے، اس کے کاٹ لینے سے، اس کی زندگی کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ نہ ہو۔ کیونکہ شریعتِ اسلامی کا بنیادی اصُول یہ ہے کہ ضرر کو ضرر سے دُور نہ کیا جائے۔

۲۔ یہ کہ متعلقہ عضو، رضاکارانہ طور پر دیا جائے، اس میں کسی قسم کا جبر نہ ہو۔

۳۔ ایسے عضو کی پیوندکاری، دُکھی مریض کے علاج کا واحد، ممکن طریقہ ہو۔

۴۔ زندہ انسان کا عضو حاصل کرنا، اور ضرورت مند کے جسم میں اس کی پیوندکاری کے عمل کی کامیابی کا غالب حد تک یقین ہو۔ (خیال رہے کہ فقہ اکیڈیمی کے ڈائریکٹر نے یہ پابندیاں زندہ انسانوں کے عضو حاصل کرنے پر لگائی ہیں تاکہ انہیں ہر قسم کے نقصان سے بچایا جا سکے، جہاں تک مردہ انسانوں کے اعضاء کا تعلق ہے، وہاں چونکہ اس قسم کے ضرر کا امکان نہیں، اس لئے اس صورت میں ان شرائط کی پابندی کی بھی ضرورت نہیں۔)

(بحوالہ اخبار العالم الاسلامی مکّہ مکرمہ مورخہ ۲۵ فروری ۸۵ء)

ان تفصیلات کی روشنی میں ان علماء حضرات سے جو انسانیت کے لئے اس مفید کام کی مخالفت کر رہے ہیں، درخواست ہے کہ وہ اپنے نقطۂ نظر پر نظرِ ثانی فرمالیں اور ایک ایسا معاملہ، جس کی شریعتِ اسلامی میں واضح اجازت ہے۔ کو، خلافِ اسلام ثابت کرنے پر اپنی توانائیاں صرف نہ کریں

اقبالؒ نے کہا

مشرق کے عظیم مفکر شاعر اقبال کے افکار کا منبع قرآنِ حکیم ہے۔ انہوں نے زندگی کے ہر روشن اور تعمیری پہلو کو قرآنی تعلیمات کے تحت اپنی بصیرت سے عام کیا ہے۔ اور اپنے کلام ترجمان القرآن میں مختلف اندازسے نوعِ انسان کو عظمتِ سیرت و کردار کا درس دیا ہے۔ اگرچہ اقبالؒ نے اس پیغام انسانیت کے ابلاغ کے لئے شاعری کو ذریعہ بنایا۔ اور ان کی یہ مفکرانہ و فلسفیانہ شاعری مشرق سے مغرب تک پہنچی اور چار دانگِ عالم میں اقبال کے نام کو شہرت دوام ملی۔ مگر یہ بات کم لوگ جانتے ہیں کہ اُس دانائے راز نے شاعری کے علاوہ نثر میں بھی دنیائے انسانیت کی فلاح و بہبود کے لئے انمول جواہر پارے چھوڑے ہیں۔ اقبالؒ کے خطبات جدید تشکیل الٰہیاتِ اسلامیہ ان کے خطابات۔ مقالات اور ان کے خطوط یہ سب سے بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ ان کو پڑھنے اور غور کرنے سے اقبال کی فکر اور سوچ کی گہرائی اور گیرائی کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اپنی تحاریر میں سے حکیم الامت کے کچھ فرمودات اکٹھے کرکے ترتیب دیئے ہیں۔ انہیں قارئینِ طلوعِ اسلام کے استفادے کے لئے پیش کرتی ہوں۔

۱۹۲۵ء میں علامہ اقبال نے صوفی تبسم کے نام خط میں لکھا۔ ”اسلام اس وقت زمانے کی کسوٹی پر کسا جا رہا ہے اور شاید تاریخِ اسلام میں ایسا وقت اس سے پہلے کبھی نہیں آیا۔“ اکسٹھ سال کی طویل مدت گزر جانے کے باوجود اور ہم اہلِ پاکستان کی آزادی کے اڑتیس سال ہو جانے کے باوصف کیا ہم نے اسلام کے لئے وہی کیفیت پیدا نہیں کر رکھی؟ یہ سوال ہم سے یہ جواب چاہتا ہے۔ اسی ضمن میں اسی خط میں اقبالؒ نے یہ بھی لکھا تھا۔ ”ایک مدت سے ہم یہ سن رہے ہیں کہ قرآن کامل کتاب ہے اور خود اپنے کمال کا مدعی ہے لیکن ضرورت اس امر کی ہے کہ اس کے کمال کو عملی طور پر ثابت کیا جائے کہ سیادتِ انسانی کے لئے تمام ضروری قواعد اس میں موجود ہیں۔“ کیا یہ بات اسلام کے نام لیواؤں کے سمجھنے کی نہیں؟ اسی خط میں اقبالؒ نے یوں اظہارِ خیال کیا کہ ”میرا عقیدہ یہ ہے کہ جو شخص اس وقت قرآنی نقطۂ نگاہ سے زمانۂ حال کے جورس پروڈنس (اصولِ فقہ) پر ایک تنقیدی نگاہ ڈال کر احکامِ قرآنیہ کی ابدیت کو ثابت کرے گا۔ وہی اسلام کا مجدد ہوگا اور بنی نوعِ انسان کا سب سے بڑا خادم بھی وہی شخص ہوگا۔“ یہ بات ۲۵ء میں کہی گئی۔ آج ۸۶ء گزر رہا ہے۔ حقیقت اپنی جگہ قائم ہے ۳۸ء میں حسین احمد مدنی کے خط کے جواب میں دین اور سیاست کے بارے میں اقبالؒ نے یہ وضاحت کی کہ ”اسلام محض انسان کی اخلاقی اصلاح کا داعی نہیں بلکہ

ایک تدریجی مگر اساسی انقلاب بھی چاہتا ہے جو اسکے قومی نقطۂ نگاہ کو یکسر بدل کر اس میں خالص انسانی ضمیر کی تخلیق کرے۔ قدیم زمانے میں دین قومی تھا۔ جیسے مصریوں، یونانیوں اور ہندیوں کا، بعد میں نسلی قرار پایا۔ جیسے یہودیوں کا۔ مسیحیت نے یہ تعلیم دی کہ دین انفرادی اور پرائیویٹ ہے۔ یہ اسلام ہی تھا جس نے بنی نوع انسان کو سب سے پہلے یہ پیغام دیا کہ دین نہ قومی ہے نہ نسلی۔ نہ انفرادی ہے نہ پرائیویٹ ہے۔ بلکہ خالصتہً انسانی ہے اور اس کا مقصد باوجود تمام فطری امتیازات کے عالم بشریت کو متحد و منظم کرنا ہے۔ صرف یہی ایک طریقہ ہے جس سے عالم انسانی کی جذباتی زندگی اور اس کے افکار میں یک جہتی اور ہم آہنگی پیدا ہو سکتی ہے۔ جو ایک امت کی تشکیل اور اس کی بقاء کے لئے ضروری ہے۔"

۱۹۳۶ء میں شریعت کا مقصود مولوی ظفر احمد صدیقی کے نام خط میں واضح کیا — یعنی یہ کہ "اسلام نفسِ انسانی اور اس کی مرکزی قوتوں کو فنا نہیں کرتا۔ بلکہ ان کے عمل کے لئے حدود معین کرتا ہے۔ ان حدود کے معین کرنے کا نام اصطلاحِ اسلام میں شریعت یا قانونِ الٰہی ہے۔" حکیم الامت نے اپنے ایک خطاب میں فرمایا۔ "دین ایک شعبہ جاتی معاملہ نہیں۔ نہ ہی یہ محض خیال اور نہ ہی صرف جذبۂ وتاثر ہے۔ اور نہ یہ صرف عمل کا نام ہے بلکہ دین انسان کی مکمل زندگی کا اظہار ہے۔" اقبال علیہ الرحمتہ کے نزدیک رسول کریمؐ کی ذات بابرکات دنیائے قدیم اور عالم جدید کے درمیان سنگھم کی حیثیت رکھتی ہے وہ مسئلہ ختم نبوت پر فلسفیانہ انداز میں بحث کرتے ہوئے ہادیٔ اعظم کی نادر الوجود شخصیت کے بارے میں رقم طراز ہیں "پیغمبر اسلامؐ دنیائے قدیم اور دنیائے جدید کے درمیان کھڑے ہوتے دکھائی دیتے ہیں۔ وہ اپنے الہام کے سرچشمے کی بدولت عالم قدیم سے متعلق ہیں۔ لیکن جہاں تک ان کی الہامی سپرٹ کا تعلق ہے وہ عصر حاضر سے مربوط ہیں۔ ان کی بدولت زندگی نے اپنی نئی سمتوں کے مناسب علوم کے لئے نئے نئے سرچشمے دریافت کیئے ہیں۔ دراصل اسلام کا ظہور استقرائی عقل کا ظہور ہے۔"

اپنے خطباتِ جدید تشکیلِ الٰہیاتِ اسلامیہ میں اقبال نے کائنات کی نوعیت۔ مقصدِ تخلیق اہمیت اور افادیت کے بارے میں یوں اظہارِ خیال کیا ہے "قرآن کی رُو سے اس کائنات کی اصلیت کیا ہے جس میں ہم زندگی گزار رہے ہیں۔ اس سلسلے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ اس کائنات کی تخلیق محض دل لگی کا نتیجہ نہیں بلکہ یہ حقیقت پر مبنی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ کائنات اپنی ساخت کے لحاظ سے وسعت پذیر ہونے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ یہ کوئی تکمیل یافتہ بے حرکت اور غیر تغیر پذیر چیز نہیں۔ قرآن گردشِ لیل و نہار کو خدا کی بڑی بڑی نشانیوں میں شمار کرتا ہے۔ اب یہ انسان کا فرض ہے کہ وہ ان آیاتِ الٰہی پر غور و خوض کر کے تسخیرِ فطرت کے نئے نئے ذرائع معلوم کرے۔"

انسان کی حقیقت اور مرتبہ کے ضمن میں لکھا۔ "انسان اس امانت الٰہی کا حامل ہے جسے قرآن کے الفاظ میں آسمانوں زمین اور پہاڑوں نے بھی اٹھانے سے انکار کر دیا تھا۔ اس میں کوئی کلام نہیں کہ انسان کی زندگی کا آغاز تو حقیر ہے۔ لیکن اس کے اندر بقائے دوام حاصل کرنے کی صلاحیت رکھ دی گئی ہے۔" اپنے خطبات میں قرآن کریم کے متعلق لکھتے ہیں۔ "قرآن کی ایک امتیازی خوبی یہ

بھی ہے کہ وہ حقیقتِ عالم کے خارجی پہلو کے مطالعہ و مشاہدہ پر بہت زور دیتا ہے۔ اس عمیق مطالعہ و مشاہدہ کے ذریعے قرآن انسان کے اندر اس عظیم ہستی کا شعور بیدار کرنا چاہتا ہے۔ جس کی مظہر یہ کائنات ہے۔ قرآن نے اپنے مقلدین کے اندر یہ تجرباتی طریق کار پیدا کرکے انہیں جدید سائنس کا بانی بنا دیا تھا۔" اپنی خطبات میں اقبالؒ کہتے ہیں۔" مکان و زماں کی یہ عظیم وسعت اس امر کی منتظر ہے کہ انسان کا دستِ تسخیر اسے پوری طرف مسخر کرے۔"

اس طرف بھی توجہ دلائی ہے کہ "پچھلے پانچ سو برس سے البیات اسلامیہ پر جمود کی ایک کیفیت طاری ہے" اور یہ کہ "تغیر وہ حقیقت ہے جسے قرآن پاک نے اللہ تعالیٰ کی ایک بہت بڑی آیت ٹھہرایا ہے۔" اور یہ بھی اقبال کی سوچ تھی کہ "بقائے دوام انسان کا حق نہیں بلکہ اس کے حصول کا دارو مدار ہماری مسلسل جدوجہد پر ہے۔" اور "زندگی عبارت ہے اغراض و مقاصد کی تشکیل، ان کی پے در پے تبدیلی اور کارفرمائی سے۔" یہ راہنمائی بھی خطباتِ اقبال سے ملتی ہے۔ کہ "آزادیٔ خیر کی شرطِ اوّلین ہے۔ اور خیر میں جبر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" ان میں حکیم الامت نے یہ بھی لکھا ہے کہ "اسلام نے خوب سمجھ لیا تھا کہ انسان ہمیشہ سہاروں پر زندگی بسر نہیں کر سکتا۔ اس کے شعور ذات کی تکمیل ہوگی تو یوں ہوگی کہ وہ خود اپنے وسائل سے کام لینا سیکھے" اور یہ کہ "انسان جس چیز کو اچھا سمجھتا ہے اس کے لئے بڑی سے بڑی تکلیف اور اذیت برداشت کرتا رہا ہے اور کر سکتا ہے۔" دیباچہ خطبات میں اقبالؒ نے یہ کہا ہے کہ "ہمارا فرض ہے کہ فکرِ انسانی کے نشوونما پر با احتیاط نظر رکھیں اور اس باب میں آزادی کے ساتھ نقد و تنقید سے کام لیتے رہیں۔"

۲ مئی ۱۹۳۱ء کو لاہور کے ایک خطاب میں اس راہنمائے قوم نے کہا۔ "ابھی آپ کو ایک اور شدید جنگ میں قربانیاں کرنی ہیں اور وہ سرمایہ داری کی لعنت کے خلاف جنگ ہے ..... اگر کوئی یہ خیال کرتا ہے کہ کوئی دوسری قوم یا انگریز اس کی دستگیری کرے گا تو وہ بدبخت ہے۔ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو جاؤ ورنہ تمہیں کوئی حق نہیں کہ زندہ رہو۔"

ایک اور موقع پر یہ اظہارِ خیال کیا کہ "اگر افراد قومیت کے شیرازے سے ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ نہ ہوں گے تو نظامِ قدرت کے قوانین ان کو صفحہ ہستی سے حرفِ غلط کی طرح مٹا دینگے۔ قدرت کسی خاص فرد یا مجموعۂ افراد کی پرواہ نہیں کرتی۔" نکلسن کے نام خط میں لکھا۔ "انسانی فلاح تمام انسانوں کی مساوات اور حریت میں پنہاں ہے۔" قومی تاریخ کے بارے میں ایک مقالہ میں یوں بیان کیا۔ "افراد کی صورت میں احساسِ نفس کا تسلسل قوتِ حافظہ ہے۔ اقوام کی صورت میں اس کا تسلسل و استحکام قومی تاریخ کی حفاظت ہے۔ گویا قومی تاریخ حیاتِ ملیہ کے لئے بمنزلہ قوتِ حافظہ کے ہے۔" عطیہ فیضی کے خط میں لکھا۔ "میں دوسروں کی سانس کی مدد سے زندگی بسر کرنا نہیں چاہتا۔"

فرمودات اقبالؒ مختلف پہلوؤں سے ہمارے سامنے آتے اور ہمیں انسانیت کا راستہ دکھاتے ہیں۔ یکم جنوری ۱۹۳۸ء کو اقبالؒ نے لکھا۔ "انسان کی بقا کا راز انسانیت کے احترام میں ہے اور جب

ملک تمام دنیا کی علمی قوتیں اپنی توجہ کو احترام انسانیت کے درس پر مرکوز نہ کر دیں۔ یہ دنیا بدستور درندوں کی بستی رہے گی"۔ ایک فرمودۂ اقبالؒ یہ تھا کہ "جدید یورپین جذبۂ انسانیت کا جو ثمر جدید سائنس اور فلسفہ کی شکل میں برآمد ہوا ہے اسے کئی لحاظ سے محض اسلامی تمدن کی توسیع پذیری کہا جا سکتا ہے"۔ پھر یہ کہ سائنس اور فلسفہ، مذہب ان سب کی حدیں متعین ہیں۔ صرف فن ہی لامحدود ہے"۔ اور یہ بھی کہ "افراد اور اقوام فنا پذیر ہیں لیکن تصورات جو انکی اولادِ معنوی ہیں ہرگز فنا نہیں ہوتے"۔ اقبالؒ نے یہ نشاندہی بھی کی کہ "میرے نزدیک حقیقی آرٹسٹ وہی ہے جو اپنی قوم کا نبض شناس ہو اور آرٹ کو قومی امراض کے دفعیہ کا ذریعہ بنائے"۔ قرونِ وسطیٰ کے تصوف کے بارے میں اقبالؒ نے لکھا۔

"اسلام قرونِ وسطیٰ کے اس تصوف کی تجدید کو بھی روا نہ رکھے گا۔ جس نے اپنے پیروکاروں کے صحیح رجحانات کو کچل کر ایک مبہم تفکر کی طرف ان کا رُخ پھیر دیا۔ اس تصوف نے گزشتہ چند صدیوں میں مسلمانوں کے بہترین دماغوں کو اپنے اندر جذب کر کے سلطنت کو معمولی آدمیوں کے ہاتھوں میں چھوڑ دیا تھا۔ جدید اسلام اس تجربے کو دہرا نہیں سکتا۔

علماء کے متعلق اس دیدہ ور کی رائے یہ تھی کہ "علماء ہمیشہ اسلام کے لئے ایک قوتِ عظیم کا سرچشمہ رہے۔ لیکن صدیوں کے مرور کے بعد خاص کر زوالِ بغداد کے زمانے سے وہ بے حد قدامت پرست بن گئے اور آزادیٔ اجتہاد (یعنی قانونی امور میں آزاد رائے قائم کرنا) کی مخالفت کرنے لگے"۔ اور یہ کہ "دین کی عظیم الشان بلند نظری ملاؤں اور فقیہوں کے فرسودہ اوہام میں جکڑی ہوئی ہے، اور آزادی چاہتی ہے"۔ اپنے ایک مقالہ میں لکھا "مذہب کا مقصد یہ نہیں کہ انسان بیٹھا ہوا زندگی کی حقیقت پر غور کرے۔ بلکہ اس کی اصلی غایت یہ ہے کہ زندگی کی سطح کو بتدریج بلند کرنے کے لئے ایک مربوط اور متناسب عمرانی نظام قائم کیا جائے"۔ اس عظیم مفکر نے کہا "میرے خیال میں مسلمانوں کا اس وقت سب سے اہم فرض جہالت اور اقتصادی پستی کے خلاف جہاد ہونا چاہئے"۔ یہ بات اگرچہ نصف صدی سے زیادہ عرصہ پہلے کہی گئی تھی مگر یہ آج بھی اسی طرح اہم ہے جیسی اس وقت تھی۔ غلامی کے متعلق فرمودۂ اقبالؒ یہ تھا کہ "غلامی بہت بڑی لعنت ہے غلامی زبان سے وہ کچھ بھی کہلوا دیتی ہے۔ جو انسان نہیں کہنا چاہتا دانستہ بھی اور نادانستہ بھی"۔ قوم کے حوالے سے اقبالؒ نے کہا۔ "کوئی قوم قوم نہیں بن سکتی۔ جب تک وہ ابتلاؤں میں گرفتار نہ ہو"۔ اور "اس وقت وہی قوم محفوظ رہے گی جو اپنی عملی روایات پر قائم رہ سکے گی"۔ معلّم کے لئے اقبالؒ کی ہدایت یہ تھی۔ "کہ معلم کا فرض تمام فرضوں سے زیادہ مشکل اور اہم ہے۔ کیونکہ تمام قسم کی اخلاقی، تمدنی اور مذہبی نیکیوں کی کلید اسی کے ہاتھ میں ہے اور تمام قسم کی ملکی ترقی کا سرچشمہ اسی کی محنت ہے"۔ قائداعظمؒ کے بارے میں اقبالؒ نے کہا "مسٹر جناح کو خدا تعالیٰ نے ایک ایسی خوبی عطا کی ہے جو آج تک ہندوستان کے کسی مسلمان میں مجھے نظر نہیں آئی۔ وہ نہ تو بدعنوان ہیں اور نہ انہیں خریدا جا سکتا ہے"۔ اقبالؒ جانتے تھے کہ "بہترین مسلمانوں نے سادہ اور درویشانہ زندگی بسر کی ہے۔ ضرورت سے زیادہ کی ہوس کرنا لالچ ہے جو کسی بھی مسلمان کے شایانِ شان نہیں"۔ انہوں نے بتایا "کردار ہی وہ غیرمرئی قوت ہے

جس سے قوموں کے مقدر متعین ہوتے ہیں۔" بلند حوصلگی، عالی ظرفی، سخاوت اور اپنی روایات و قوت پر جائز فخر ایسی چیزیں ہیں جو شخصیت کے احساس کو مستحکم کرتی ہیں۔" جو قوت مجسم ہے اسے سب کچھ میسر ہے۔ سخت جو اور سختی جھیلو انفرادی اور اجتماعی زندگی کا یہی راز ہے۔" اقبالؒ نے قرآن کی ترجمانی کرتے ہوئے یہ درس دیا کہ " زندگی اپنے حوالی میں کسی قسم کا انقلاب پیدا نہیں کر سکتی۔ جب تک کہ پہلے اس کی اندرونی گہرائیوں میں انقلاب پیدا نہ ہو"۔ اور " خدا لوگوں کی حالت اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک روزمرہ کے کاروباری دائرے کو ایک معینہ نصب العین کی روشنی سے منور کر کے وہ خود اپنی حالت کو بدلنے کا اقدام نہیں کرتے۔" خطبات میں اقبالؒ نے اس امر کی طرف توجہ دلائی ہے کہ " پچھلی متعدد صدیوں میں جب عالم اسلام پر ذہنی غفلت اور بے ہوشی کی نیند طاری تھی۔ یورپ نے ان مسائل میں نہایت گہرے غور و فکر سے کام لیا۔ جن سے کبھی مسلمان فلسفیوں اور سائنس دانوں کو دلی شغف رہا ہے۔" اقبالؒ نے کہا ہے کہ " تاریخ ایک طرح کا ضخیم گراموفون ہے جس میں قوموں کی صدائیں محفوظ ہوتی ہیں۔" " جب قومیں زوال پذیر ہوتی ہیں تو ہر ٹھوس چیز سے بیگانہ ہو جاتی ہیں"۔ اور سیاسی اقتدار کا زوال قومی کردار کے حق میں بھی تباہ کن ثابت ہوتا ہے۔" پھر یہ کہ صرف نظریوں کی بناء پر کوئی پائیدار تمدن قائم نہیں ہو سکتا۔" " طاقت کا سرچشمہ فراست ہے۔ جب طاقت عقل و دانش کو پس پشت ڈال کر محض اپنی ذات پر بھروسہ کر لیتی ہے تو نتیجہ خود طاقت کا زوال ہوتا ہے۔" اقبال کے نزدیک۔ "فکر روزی قاتل روح ہے۔" انسانی قلب کے لئے اس سے بڑھ کر زبوں بختی اور کیا ہو سکتی ہے کہ اس کا خلوص پر دردہ اغراض ہو جائے۔" " انصاف ایک بیش بہا خزانہ ہے لیکن ہمیں لازم ہے کہ اسے رحم کی دستبرد سے محفوظ رکھیں۔" خدا اور شیطان دونوں انسان کو صرف مواقع فراہم کرتے ہیں اور یہ اسی پر چھوڑ دیتے ہیں کہ وہ ان مواقع سے جیسا مناسب سمجھے فائدہ اٹھائے۔" شہریت اور آبادی کے تعلق سے اقبال کا تدبر دیکھیے۔" روزگار فقیر" میں ان کی رائے لکھی ہے کہ " ہر شہر کی آبادی مقرر کر کے اسے حد سے نہ بڑھنے دو۔ اس سے زیادہ بسنے والوں کو نئی بستیاں مہیا کی جائیں۔ کیونکہ شہر کی آبادی جس قدر بڑھتی ہے اس کی تہذیبی اور اقتصادی توانائی کم ہوتی جاتی ہے اور ثقافتی طاقتوں کی جگہ برائی کی طاقتیں لے لیتی ہیں۔"

حکیم الامت نے ایک مجلس احباب میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔" جب تک کوئی قوم اپنے نصب العین پر قائم رہتی ہے۔ اپنی روایات کو زندہ رکھتی اور اپنے اصل الاصول سے پیچھے نہیں ہٹتی۔ عوام بے رہرو نہیں ہونے پاتے۔ خواص ان کی رہنمائی کرتے ہیں۔ قوم کے وجود ملی کو تقویت پہنچتی اور وہ اپنی ترقی اور کامرانی کی منزلوں میں باسید اعتبار آگے بڑھتی۔ بلکہ دوسروں کو بھی اپنی طرف کھینچتی ہے۔ مگر افسوس ہے کہ مسلمان اپنے اصل الاصول سے دور ہٹ گئے۔" اور قوم میں دم نہیں دل و دماغ رو بہ انحطاط ہیں۔ قوائے عمل شل ہو رہے ہیں۔ یہ سارا نتیجہ ضعف ایمان کا ہے۔ ایمان بڑی چیز ہے۔ جب تک ایمان قائم تھا، مسلمانوں بھی عزم بھی تھا۔ ہمت اور حوصلہ بھی۔

وہ اللہ کا سہارا ڈھونڈ نے تو تدبیر سے بھی کام لیتے۔ انہیں معلوم تھا۔ ایمان زندگی ہے۔ طاقت ہے۔ قدرت ہے۔" (اقبالؒ کے حضور خطبہ الہ آباد میں علامہ اقبال نے فرمایا تھا۔" ایک سبق جو میں نے تاریخ اسلام سے سیکھا ہے یہ ہے کہ صرف اسلام تھا جس نے آڑے وقتوں میں مسلمانوں کی زندگی کو قائم رکھا نہ کہ مسلمان۔ اگر آج آپ اپنی نگاہیں پھر اسلام پر جما دیں اور اس کے زندگی بخش تخیل سے متاثر ہوں تو آپ کی پراگندہ اور منتشر قوتیں از سر نو جمع ہو جائیں گی اور آپ کا وجود ہلاکت و بربادی سے محفوظ ہو جائے گا۔" "اقبال کے حضور" تصنیف سید نذیر نیازی میں اقبال کے وہ اقوال شامل ہیں جو انہوں نے دوستوں کے درمیان کہے۔ ایک موقع پر فرمایا "اب زمانہ قرآن مجید کے مطالعہ کا ہے۔ مسلمانوں نے قرآن مجید کا مطالعہ کیا تو خود ہی سمجھ لیں گے کہ ان کی اصلاح کی ضرورت ہے اور انہیں اپنی زندگی میں کس نہج پر قدم اٹھانا چاہیئے" اور یہ کہ "موت جب ہی وارد ہوتی ہے جب قومیں اپنے اصول زندگی سے منحرف ہو جاتیں۔ عالم اسلام، اسلام کی بدولت وجود میں آیا۔ اس کی ہستی اسلام سے وابستہ ہے اور اسلام ہی کی بدولت اس میں پھر زندگی پیدا ہو گی، لیکن یاد رکھو کہ نبی اکرمؐ کا لایا ہوا اسلام اور ہے اور عجم کی بدعتوں سے بھرا ہوا مسخ شدہ اسلام اور۔"

وحدت کیا شے ہے! اقبال نے کہا "جغرافیائی۔ نسلی اور لسانی وحدت ایک خود ساختہ اور مصنوعی شے ہے۔ جسے مغربی استعمار نے اپنے مخصوص سیاسی اور معاشی مفادات کے تحفظ کے لئے جنم دیا ہے۔ اصل وحدت فکری اور نظریاتی وحدت ہے اور اس لحاظ سے تمام دنیا کے مسلمان ایک ہی لڑی میں پروئے ہوئے دانوں کی مانند ہیں۔ مسلمانوں کو چاہیئے کہ اس وحدت سے باہر جانے کی کوشش نہ کریں۔

ے ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کیلئے۔ نیل کے ساحل سے لے کر تابخاک کاشغر

ان چند مذکورہ فرمودات اقبالؒ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس مرد حق شناس نے انسان کی رہنمائی کے لئے بالعموم اور امت مسلمہ کی رہبری کے لئے بالخصوص نظم کے ساتھ نثر کو بھی گوہر ہائے آبدار سے مالا مال کر رکھا ہے۔ ضرورت اس طرف دھیان دینے کی ہے۔ اقبالؒ نے اپنی نثری تحریروں میں انسانی ذات کی تعمیر و ترقی۔ اجتماعی زندگی کی تنظیم نو اور ملت اسلامیہ کے فروغ و ارتقاء کے امکانات کی نشان دہی کی ہے۔ ان پر غور و فکر کر کے اصلاح و ارتفاع معاشرہ کے لئے صحیح عملی راہیں اختیار کی جا سکتی ہیں۔

ترتیب
ثریا عندلیب

حقائق و عبر

۱۔ ادارہ تحقیقاتِ اسلامی :

اس غریب قوم کے اصطبل میں جو سفید ہاتھی بندھے ہوئے ہیں، ان میں سے ایک ادارہ تحقیقات اسلامی بھی ہے۔ اس ادارے کے سپرد اصل کام تو یہ ہے کہ وہ اہلِ وطن کو اس حقیقت کے سمجھنے میں مدد دے کہ اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے، پھر اس ضابطہ کے مطابق زندگی گزارنے میں ان کی مدد کرے۔ اس ادارے پر جو آج سے چوبیس پچیس سال پہلے قائم ہوا تھا، اس غریب قوم کے کروڑوں روپے خرچ ہو چکے ہیں اس میں درجنوں اسکالر کام کر رہے ہیں، جو بڑے بڑے بھاری مشاہرے وصول کر رہے ہیں، لیکن اس نے ابھی تک اسلام کے مکمل ضابطۂ حیات ہونے کے بارے میں ایک کتاب بھی قوم کے سامنے پیش نہیں کی۔

اسلامی مسائل سے اس ادارے کی لاتعلقی کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ پچھلے تین چار ماہ سے ملکِ عزیز میں چار پانچ اہم اسلامی معاملات پر بڑے زور شور سے بحث جاری ہے، ان مسائل میں رشوت ستانی، شریعت بل، اسلام کا مالیاتی نظام، آئین میں نویں ترمیم کا بل اور عائلی قوانین شامل ہیں، علماء کے مختلف طبقات ان مسائل پر نہ صرف یہ کہ اپنی اپنی آراء پیش کر رہے ہیں بلکہ ان کی حمایت اور مخالفت میں جلوس نکالے جا رہے ہیں۔ لیکن اس ادارے کے ترجمان سہ ماہی مجلہ "فکر و نظر" کی جنوری تا مارچ ۱۹۸۶ء کی اشاعت جو ابھی حال ہی میں شائع ہوئی ہے، کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس رسالہ کا پاکستان سے نہیں بلکہ کسی دوسرے ملک سے تعلق ہے۔ اس میں مذکورہ بالا مسائل پر ایک لفظ لکھنا تو کجا، ان کی طرف اشارہ تک نہیں کیا گیا۔ قوم سے یہ مذاق ختم ہونا چاہیئے۔ اگر اس ادارے کا مقصد واقعی اسلامی تحقیق ہے تو اسے عوام کو درپیش مسائل کے لحاظ سے یہ خدمت سرانجام دینی چاہیئے۔

۲۔ گھوڑ دوڑ پر جواء اور عائلی قوانین :

ابھی حال ہی میں عائلی قوانین کے خلاف علماء کے ایک طبقے کی جانب سے جو تحریک چلائی گئی،

تو اس کے خلاف خواتین کی مختلف انجمنوں نے ایک جلوس نکالا، جس میں انہوں نے بڑے دُکھ سے کہا کہ علماء کے رویّے سے معلوم ہوتا ہے، کہ دینِ اسلام صرف عورتوں کو ٹھیک کرنے آیا ہے۔ اس سلسلے میں انہوں نے ایک مثال دی کہ ایک ہی اخبار کے ایک ہی صفحہ پر ایک ہی دن دو خبریں شائع ہوئیں، جن میں سے ایک عورتوں کی ہاکی ٹیم کے دورے کے بارے میں تھی اور دوسری گھوڑ دوڑ پر جوئے کی تفصیلات کے بارے میں تھی۔ علماء حضرات نے عورتوں کی ہاکی ٹیم کے بارے میں تو بڑے زوردار بیان دیئے لیکن گھوڑ دوڑ پر جوئے کی تفصیلات کے بارے میں ایک لفظ تک نہیں کہا۔ حالانکہ شرعی عدالت اس کاروبار کو خلافِ اسلام قرار دے چکی ہے۔ چنانچہ اس بارے میں علماء کے اس طرزِ عمل پر اپنے دُکھ کا اظہار کرتے ہوئے انہوں نے ان علماء کے خلاف نعرے بھی لگائے۔

لیکن حیرت کی بات ہے کہ علماء نے ان کے ان نعروں کا تو سختی سے نوٹس لیا لیکن گھوڑ دوڑ پر جوئے کے کاروبار کہ جس کی بنیاد پر یہ نعرے لگائے گئے تھے ایک لفظ تک نہ کہا۔ ان حضرات کی خاموشی سے تو یہ اندازہ ہوتا ہے کہ گھوڑ دوڑ پر جوئے کا کاروبار جو ہمارے ملک کے عیاش سرمایہ داروں کا مشغلہ ہے، کوئی اسلامی کھیل ہے جسے خواہ مخواہ شرعی عدالت نے خلافِ اسلام قرار دے دیا ہے۔ اور اس سے بھی بڑی حیرت کی بات یہ ہے کہ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب جو عورتوں کے خلاف تحریک میں پیش پیش ہیں، انہوں نے بھی سرمایہ داروں کے اس مشغلے کہ جس کی وجہ سے ہزاروں گھر برباد ہو چکے ہیں۔ ابھی تک ایک لفظ تک نہیں کہا۔

۳۔ استحکامِ پاکستان کانفرنس

استحکامِ پاکستان کے عنوان سے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے جو کتاب تصنیف فرمائی ہے، پہلے وہ قسط وار روزنامہ جنگ میں چھپتی رہی، اس کی ایک قسط جو جنگ کے ۳۱ جنوری کے شمارے میں چھپی تھی، ہماری نظر سے گزری، تو ہم سناٹے میں آ گئے کیونکہ اس میں بانیٔ پاکستان حضرت قائداعظمؒ کے خلاف زہر اگلا گیا تھا۔ طلوعِ اسلام کی اپریل سنہ ۱۹۸۶ء کی اشاعت میں ڈاکٹر صاحب کی اس زہر فشانی کا مسکت جواب دیا جا چکا ہے۔ لیکن ڈاکٹر صاحب ہوشیار آدمی معلوم ہوتے ہیں، انہوں نے اس موضوع پر اپنی کتاب کی تشہیر کے لئے ایک ہفتہ وار کانفرنس کا ابھی حال ہی میں انتظام کیا، جس میں ملک کے مشہور اہلِ علم کو مدعو کیا گیا۔

اہل علم نے بھی کیا اور متعلقہ کتاب کا مطالعہ کئے بغیر اس کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیئے۔ ان میں سے بعض اہلِ قلم ایسے بھی تھے، جو اپنی شناخت حضرت قائدِ اعظمؒ کی محبت کے حوالے سے کراتے ہیں لیکن انہوں نے بھی اس کتاب کی تعریف کرنے سے پہلے، اس کا مطالعہ کرنے کی تکلیف گوارا نہ کی وگرنہ انہیں معلوم ہو جاتا کہ اس کے ساتویں باب میں حضرت قائدِ اعظمؒ کی ذات پر کتنا کیچڑ اچھالا گیا ہے۔ ان حضرات کو اپنے اس غلط طرزِ عمل کی تلافی کرنی چاہیئے۔ اور اس کتاب میں بانیٔ پاکستان کی جو توہین کی گئی ہے، اس کی مذمت کرنی چاہیئے۔

۴۔ مودودی صاحب کا اسلامی دستور بنانے سے انکار!

جماعتِ اسلامی کے ایک سابق لیڈر پیر محمد اشرف صاحب کا نوائے وقت میگزین بابت مورخہ ۱۴۔ مارچ ۱۹۸۶ء میں ایک انٹرویو شائع ہوا۔ جس میں انہوں نے جماعتِ اسلامی کے اندرونِ خانہ اہم رازوں سے پردہ اٹھایا ہے۔ ان میں سے ایک راز محترم مودودی صاحب کا اسلامی دستور بنانے سے انکار ہے۔ ان کے الفاظ میں:

"جب صدر فیلڈ مارشل ایوب خاں نے انقلاب کے بعد آئین کی ساری کتابیں مولانا مودودی کو بھجوا دیں کہ آپ آئین جو چاہیں بنا دیں ہم اسے نافذ کر دیں گے تو اس پر غور کرنے کے لئے مولانا مودودی نے چوہدری غلام محمد مرحوم کو کراچی سے مجھے ساہیوال سے اور میاں طفیل کو لاہور سے بلوایا اور ہم تینوں مولانا مودودی کی صدارت میں بیٹھ گئے اور یہ وہ خاص نشست تھی جس کا کسی دوسرے کو علم نہیں تھا۔ میری اور چوہدری غلام محمد صاحب کی رائے یہ تھی کہ ہم اس پیشکش کو قبول کر لیں۔ اگر یہ پیش کریں تو ہمیں یہ فائدہ ہوگا کہ ایک تو ہم فوج کے قریب ہو جائیں گے دوسرا یہ ہے کہ ہم اسلامی دستور اپنی منشاء کے مطابق بنا کر دے دیں گے جو کہ بنائیں گے ہم اور ذمہ داری کسی دوسرے کے سپرد ہوگی۔ تیسرا یہ کہ ایسے عناصر ان کے قریب نہیں آسکیں گے جو اسلام اور اس کے مزاج کے خلاف ہیں اور اگر ہم یہ پیشکش قبول نہیں کریں گے تو پھر قادیانی اور اس قسم کے عناصر جو یہاں اسلام نہیں چاہتے۔ وہ آگے آجائیں گے اور ہمارے لئے حالات سخت ناسازگار ہو جائیں گے۔ لیکن مولانا مودودی نے کہا کہ میں تمہاری یہ تجویزیں نہیں مانتا۔ اور یہ سارے کاغذات ہم نے واپس کر دیئے۔ اس وقت میری رائے یہ تھی کہ اگر جماعتِ اسلامی اس پیشکش کو قبول کر لیتی تو جماعت کے اثرات اس حد تک نفوذ کر جاتے کہ ووٹ تو اسے عام پبلک کے ملنے نہیں تھے تو فوجی نقطۂ نگاہ سے اس حد تک قوت حاصل کر لیتی کہ یہ دوسرا مارشل لا آنے تک جماعتِ اسلامی ہی جماعتِ اسلامی ہوتی۔ کوئی دوسری پارٹی نہ ہوتی۔ لیکن مولانا مودودی نے کیونکہ ان کا اپنا ایک خاص جمہوری ذہن تھا اس وقت انہوں نے

کہا ہم تو ان کے ساتھ تعاون کرنے کے لئے تیار نہیں۔"
(نوائے وقت میگزین بابت ۱۴ مارچ ۱۹۸۶ء صہ)
یہ اس بات کا بین ثبوت ہے، کہ جماعت اسلامی؛ اسلامی دستور کا نعرہ، اپنی سیاست کو چمکانے کے لئے لگاتی رہی ہے۔ اسے اسلامی نظام کے عملی نفاذ سے کبھی دلچسپی نہ تھی۔

جماعتِ اسلامی' اسلامی نظام قائم نہیں کرسکتی

مودودی صاحب کا فتویٰ

اسی انٹرویو میں پیر صاحب نے اس حقیقت کا بھی انکشاف کیا ہے کہ آخری عمر میں مودودی صاحب کو یہ یقین ہوگیا تھا کہ جماعتِ اسلامی پر جس قسم کے لوگوں نے قبضہ کرلیا ہے۔ وہ کبھی اسلامی نظام قائم نہیں کرسکتے۔ اس بارے میں نوائے وقت کی جانب سے جو سوال کیا گیا وہ سوال اور اس کا جواب ملاحظہ ہو۔

نوائے وقت: یہ بتایئے کہ آخری ایام میں مولانا مودودی کچھ مایوس تھے۔ ان کے کچھ خطوط جو مولانا مسعود عالم ندوی کے نام شائع ہوئے ہیں اس میں انہوں نے جماعت اسلامی سے اپنی مایوسی کا اظہار کیا ہے۔

پیر اشرف: جماعت اسلامی سے مایوسی ان کی بڑی واضح تھی اسلام محض نظریے کا نام نہیں۔ یہ وہ نظام ہے جو صلاحیتوں والے افراد کے ذریعے آئے نافذ ہوسکتا ہے۔ مولانا مودودی ہی جانتے تھے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء میں سے جن نبیوں کے ساتھ صلاحیتوں والے افراد آئے ہیں وہ نظامِ اسلام بالفعل قائم کرسکے ہیں ورنہ قائم نہیں ہوسکا۔ بعض انبیاء کو لوگوں نے قتل کردیا بعض کو آروں سے چیر دیا۔ اس لئے کہ صلاحیتوں والے علاقے کے لوگ ان کے ساتھ شامل نہیں تھے مولانا مودودی اس بات کو جانتے تھے انہوں نے بات کو جاننے کے بعد جماعت کی یہ رمز دیکھی کہ صلاحیتوں والے لوگوں کو مختلف بہانے کرکے نکالا جارہا ہے۔ مولانا مودودی نے سمجھ لیا کہ یہ جماعت اب اسلامی انقلاب نہیں لاسکتی آپ کی یہ بات کہنا بجا ہے کہ آخری زندگی میں مولانا مودودی نے یہ کہنا شروع کردیا تھا کہ یہ افراد دنیا میں بالفعل نظامِ اسلام قائم کرسکتے۔

۶۔ بلاتبصرہ

خواتین اور ڈاکٹر اسرار احمد صاحب

ایک مدت سے ایک صاحب ڈاکٹر اسرار نامی کی باتیں سُن سُن کر کان پک گئے ہیں۔ خواتین کھیل میں حصّہ نہ لیں، یونیورسٹی نہ جائیں، پردہ کریں۔ گھر میں بیٹھ جائیں اور یہ ابھی چند دن ہوئے اخبار میں ان کا ایک عجیب بیان چھپا ہے کہ ہر مرد کو جسمانی طور پر چار شادیوں کی ضرورت ہے اور میں یہ بات فزیالوجی سے ثابت کر سکتا ہوں۔

حیرت ہے حکومت ایسے نام نہاد مولویوں کے ایسے بیانات پر پابندی عائد کیوں نہیں کرتی۔؟ دیکھا جائے تو اُن کے اس بیان کا اور عورت کے گھر میں ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ جانے کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ بات سو پردوں میں چھپا کر کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ صاف کہہ دیتے کہ عورت مزید کچھ نہ کرے۔ صرف مرد کی جسمانی تشنگی بجھانے کے لئے چار دیواری میں بیٹھ جائے۔

جس اسلام کی بات موصوف کرتے ہیں اس میں تو قول و فعل کے تضاد کی بھی اجازت نہیں ہے کیا وہ یہ بات حلفیہ بتائیں گے کہ ان کی ہر بیٹی کی تین سوکنیں موجود ہیں یا اس عمر رفتہ میں ان کی اپنی جو چار بیویاں اور ان میں سے جو درجنوں اولادیں ہیں ان کے ساتھ وہ انصاف کرتے ہیں؟ اُن کے پاس آمدنی کا کون سا بڑا ذریعہ ہے جس سے وہ درجنوں اولادوں کی اعلیٰ تعلیم و تربیت کا انتظام کر رہے ہیں؟ یا اگر وہ لاکھ پتی ہیں تو ضروری نہیں ہر مرد لاکھ پتی ہو۔ ملک میں آج ہر دس آدمیوں میں سے ۳ بھوکے سو جاتے ہیں۔ سڑکیں مانگنے والوں سے، یتیم خانے یتیموں سے اور جیلیں مجرموں سے بھری ہوئی ہیں۔ ان کی اس شرح میں ہزاروں فیصد اضافہ کرنے کے بعد ان کے مسائل کے حل کرنے کا کیا حل ڈاکٹر اسرار کے پاس موجود ہے؟

میرے خیال میں تو ایسے بیانات سے ان کا مقصد سوائے سستی شہرت اور نفسیاتی تسکین کے اور کچھ نہیں ہے کہ ہر وقت خواتین کے بارے میں ایسے بیانات دینے سے کم از کم وہ ان کی طرف متوجہ رہیں۔ حالانکہ ان کو یہ بات ایک بار سمجھ لینی چاہیئے کہ خواتین کے پاس ایسے فضول بیانات کی طرف توجہ دینے کا وقت نہیں۔ معاشرے میں ان کا جو فعال کردار ہے وہ ادا کرتی رہیں گی۔

آنحضرتؐ کے فرمان کے مطابق تو صرف ایسی خواتین کو جو بے سہارا ہوں یا جن کے شوہر جنگوں میں شہید ہو گئے ہوں دوسرے نکاح میں لے لینے کا حکم تھا یہ آج کے نام نہاد مولویوں کو کس نے اجازت دے دی ہے کہ وہ حضورؐ کے اس فرمان کو اپنی فزیالوجی کی تسکین کے لئے استعمال کریں؟ قرآنِ حکیم تو معاشرتی بگاڑ کو ختم کر دینے کا ایک حتمی ذریعہ ہے ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ مگر ڈاکٹر اسرار کے ہاں الٹی گنگا بہہ رہی ہے۔

(مسرّت لغاری)

(بحوالہ ہفت روزہ اخبار خواتین مورخہ ۹ تا ۱۵ اپریل ۱۹۸۶ء)

نقد و نظر

نام کتاب :- تفسیر منسوخ القرآن
نام مصنف :- محترم رحمت اللہ طارق
ناشر :- ادارہ ادبیاتِ اسلامیہ، صرافہ بازار پاک گیٹ ملتان
صفحات :- بڑی تقطیع ۹۰۶
قیمت :- ۱۲۰ روپے

علامہ پرویز صاحب مرحوم ہمیشہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ قرآن مجید کا ایک لفظ بھی علمی اور عقلی معیار کے خلاف نہیں۔ اسی کی روشنی میں آپ نے قرآن مجید کے مختلف علوم کے بارے میں ایک وسیع لٹریچر ہی تیار نہیں کیا، بلکہ قرآنی علوم سے محبت کرنے والا، اپنے شاگردوں کا ایک وسیع حلقہ بھی تیار کر گئے ہیں، جو ان کی فکر کو مزید آگے بڑھانے کا عزم رکھتا ہے۔ پرویز صاحب قرآن مجید کی کسی آیت کو منسوخ نہیں سمجھتے تھے اور وہ سید احمد خان صاحب کی طرح یقین رکھتے تھے کہ قرآن مجید ایک کتاب محکم ہے اور اس کی ایک آیت کے منسوخ ہونے کا عقیدہ رکھنا بھی اس کی محکمیت کے خلاف ہے۔ تاہم انہیں مناسب فرصت نہ مل سکی کہ وہ اس موضوع پر کوئی مستقل کتاب تصنیف کر سکتے۔ یہ کمی ان کی قرآنی فکر سے متاثر ایک عالم دین محترم رحمت اللہ طارق صاحب نے کتاب زیر تبصرہ کی صورت میں پوری کی ہے۔ حیرانگی کی بات ہے کہ پرویز صاحب اس موضوع پر، جن احادیث کے بارے میں اپنی قرآنی بصیرت کی روشنی میں فرمایا کرتے تھے کہ چونکہ وہ قرآنی تعلیمات سے ٹکراتی ہیں، اس لئے صحیح نہیں ہو سکتیں۔ محترم رحمت اللہ طارق صاحب نے فنِ حدیث اور اسماء الرجال کے علم کے حوالے سے ان تمام احادیث کو ضعیف ثابت کر دکھایا ہے۔

ہمارے علماء کے ایک طبقے کا عقیدہ ہے کہ قرآن مجید کی کوئی پانچ صد سے زیادہ آیات منسوخ ہیں۔ ان میں سے مختلف تفاسیر میں ۳۱۵ آیات کی نشاندہی کی جاتی ہے، بقیہ کے متعلق ان کا خیال ہے، کہ منسوخ ہونے کی بناء پر، انہیں قرآنِ مجید میں شامل نہیں کیا گیا۔

لیکن ان کا حکم ابھی تک باقی ہے۔ اس کی دلیل میں کہا جاتا ہے کہ آیہ رجم پہلے قرآن مجید میں موجود تھی، پھر اسے قرآن مجید سے نکال دیا گیا۔ اس لئے نماز وغیرہ میں اس کی تلاوت جائز نہیں۔ تاہم اس کا حکم اب بھی باقی ہے، جو شادی شدہ زناکار کو سنگسار کرنا ہے۔ چنانچہ آج بھی علماء کی جانب سے قرآنی آیات کے منسوخ ہونے کے بارے میں یہ دلیل دی جاتی ہے کہ اگر اس اصولِ نسخ کو تسلیم نہ کیا جائے تو پھر شادی شدہ زناکار کو سنگسار کرنے کی سزا ثابت نہیں ہو سکتی۔

نسخ کے اس عقیدے کا سب سے پہلے انکار امام ابومسلم اصفہانی نے آج سے گیارہ بارہ سو سال پہلے کیا، انہوں نے اپنی تفسیر میں یہ ثابت کیا کہ قرآن مجید نصِ قطعی ہے اور اسے حدیث سے جو نصِ ظنی ہے، منسوخ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ رہی یہ بات کہ قرآن مجید کی بعض آیات، اس کی بعض دوسری آیات سے منسوخ ہیں تو یہ بھی غلط استدلال ہے، کیونکہ ایسا عقیدہ رکھنا کہ قرآن مجید کے بعض احکام، بعض کے مخالف ہیں، تو یہ اللہ تعالیٰ کے اس دعوے کی تردید کرتا ہے کہ قرآن مجید میں کوئی اختلاف نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے منزل من اللہ ہونے کی دلیل بھی یہی دی ہے کہ اس کی آیات میں باہم تناقض و اختلاف نہیں۔ اب جو لوگ بعض آیات کو دوسری آیات سے منسوخ مانتے ہیں، انہیں یہ تسلیم کرنا ہی پڑے گا، کہ ایسی آیات باہم مختلف ہیں۔ کیونکہ اگر اختلاف نہ ہو، تو منسوخ قرار دینے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ اس سے ظاہر ہے کہ قرآن مجید خود نسخ کے مسئلہ کو غلط ٹھہراتا ہے۔

جہاں تک احادیث کا تعلق ہے، تو اس سلسلے میں کتاب کے مصنف نے دعوے کیا ہے کہ کوئی ضعیف سے ضعیف حدیث بھی ایسی نہیں ملتی جس میں خود رسول اللہؐ نے فرمایا ہو کہ قرآن کی فلاں آیت فلاں آیت سے منسوخ ہے۔ صحابہ کرامؓ کے اقوال میں بعض آیات کے متعلق بے شک نسخ کا لفظ آیا ہے۔ مگر یہ عجیب بات ہے کہ جس آیت کو ایک صحابی منسوخ مانتے ہیں، دوسرے اسی کو غیر منسوخ قرار دیتے ہیں۔ تو ہم اس صحابی کا قول کیوں نہ تسلیم کریں، جس سے قرآن مجید میں اختلاف نہیں ماننا پڑتا۔ در اصل صحابہ کے اقوال میں لفظ نسخ کا استعمال وسیع معنوں میں ہوا ہے یعنی جب کبھی کسی آیت سے کسی صحابی کو غلط فہمی پیدا ہوئی، اور دوسری آیت نے اس غلط فہمی کو دُور کر دیا تو ایسے موقع پر بھی وہ نسخ کا لفظ استعمال کرتے تھے۔

امام جلال الدین سیوطی نے اس مسئلہ پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ ان کی تحقیق کے مطابق، مفسرین نے کوئی پانچ صد قرآنی آیات کو منسوخ قرار دے دیا تھا۔ لیکن انہوں نے اس بارے میں مفسرین کے دلائل کو رد کرتے ہوئے، صرف اکیس آیات کو منسوخ مانا۔ امام ابومسلم اصفہانی نے ان اکیس آیات کی تفسیر کر کے ثابت کیا کہ قرآن مجید کی ایک آیت بھی منسوخ نہیں ہوئی۔

تاہم جو علماء اور مفسرین، قرآنی آیات کے نسخ کے قائل تھے، انہیں ابو مسلم اصفہانی کی یہ کوشش پسند نہ آئی، انہوں نے اسے معتزلہ قرار دے کر، ان کی چودہ جلدوں پر مشتمل تفسیر کو ضائع کروا دیا۔ اسلئے وہ تفسیر آئندہ نسلوں تک نہیں پہنچ سکی ورنہ یہ غلط عقیدہ کبھی کا ختم ہو چکا ہوتا۔ اس کے مقابلے میں ان ہی کے ایک ہمعصر حافظ ابوجعفر محمد بن اسماعیل کی کتاب "الناسخ والمنسوخ فی القرآن" کی وسیع پیمانے پر تشہیر کی گئی، اس مفسر نے قرآن مجید کی پوری ۳۱۵ آیات کو منسوخ ثابت کیا تھا۔ حیرت کی بات ہے کہ اس کتاب کا مصنف نیم پاگل تھا، اور آخری عمر میں اپنے اسی پاگل پن کی وجہ سے، اس نے دریائے نیل میں چھلانگ لگا کر، خودکشی کر لی تھی۔ لیکن آج بھی قرآن مجید جیسی محکم کتاب کی آیات کو منسوخ قرار دینے والی اس نیم پاگل انسان کی کتاب کو مستند سمجھا جاتا ہے۔

کتاب زیر تبصرہ کے مصنف نے اس موضوع پر موجود تمام مواد کو سامنے رکھ کر، ان تمام اقوال کو، جن کے حوالے سے، قرآن مجید کی ۳۱۵ آیات کو منسوخ قرار دیا جاتا ہے، علمی انداز میں رد کیا ہے اس مقصد کے لئے انہوں نے ہر آیت کے بارے میں موجود مواد پر، علیحدہ علیحدہ علمی بحث کر کے، ان آیات کے منسوخ ہونے کے دعوے کو رد کر کے، قرآن مجید کی محکمیت کو ثابت کیا ہے۔

کتاب زیر تبصرہ میں ناسخ و منسوخ کے موضوع پر اتنی سیر حاصل بحث کی گئی ہے کہ اب بحث کا کوئی پہلو تشنہ نہیں رہا۔ آج کی اصطلاح میں یہ اپنے موضوع پر ایک مکمل انسائیکلو پیڈیا ہے یہ اتنا بڑا کام ہے کہ اس کے لئے ایک علیحدہ ادارے کی ضرورت تھی، لیکن علامہ پرویز صاحب مرحوم نے قرآنی فکر کے عاشقوں میں ایسی روح پھونک دی ہے، کہ ان کی فکر سے متاثر اہل علم ایسے عظیم کام انفرادی طور پر انجام دینے لگے ہیں، ہمارے علماء کا جو طبقہ یہ آس لگائے بیٹھا تھا کہ پرویز صاحب کی وفات کے بعد ان کی فکر ختم ہو جائے گی، یہ کتاب ان کی غلط فہمی دور کر دے گی اور انہیں یہ حقیقت تسلیم کرنی پڑے گی کہ ان کی قرآنی فکر سے متاثر اہل علم، ان کی فکر کو اور آگے بڑھائیں گے، ہمارے ان علماء کے لئے بھی یہی مناسب ہوگا کہ وہ اس تحقیقی کتاب کا خالی ذہن ہو کر مطالعہ کریں، تو قرآن مجید کی محکمیت پر ان کا یقین پختہ ہو جائے گا۔ اگر وہ کسی وجہ سے پرویز صاحب کی قرآنی فکر سے ان کی زندگی میں دور رہے تو ان کی وفات کے بعد، کسی دوسرے اہل علم کے حوالے سے اس سے مستفید ہو جائیں ـــــ اس میں ان کا بھلا ہے!

(۲) نام کتاب :- فقہ القرآن جلد ششم
مصنف :- مولانا عمر احمد عثمانی
صفحات :- ۵۲۸
قیمت :- پچیس روپے
شائع کردہ :- ادارہ فکر اسلامی کاشانۂ حفیظ ۲۴۰ گارڈن ایسٹ ایسرداس اسٹریٹ کراچی

کچھ عرصہ پہلے تک، ہمارے قدامت پسند علماء آج سے بارہ سو سال پہلے مدون شدہ فقہی مسائل کے بارے میں ایک لفظ سننا بھی گوارا نہیں کرتے تھے۔ علامہ پرویز صاحب نے چند ایسے مسائل کی نشاندہی کی، جو قرآن مجید کی واضح تعلیمات کے خلاف تھے اور ان کی روشنی میں، انہوں نے اس امر پر زور دیا، کہ اسلامی فقہ کی زمانے کے بدلتے ہوئے تقاضوں کے مطابق تدوین جدید کی جائے۔ اور اس مقصد کے لئے قرآن مجید کو محور بنایا جائے۔ اس وقت قدامت پسند علماء کو پرویز صاحب کی یہ بات ناگوار گزری اور انہوں نے آپ کے خلاف مخالفت کا ایک طوفان کھڑا کر دیا۔ لیکن روشن خیال علماء نے علامہ صاحب کی بات پر غور و فکر کرنے کے بعد محسوس کیا کہ وہ ٹھیک کہتے ہیں، انہی علماء میں سے ایک مولانا عمر احمد عثمانی بھی تھے۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ قرآن مجید کو محور بنا کر، تمام فقہی ذخیرے کا جائزہ لے کر اسلامی فقہ کو زمانۂ جدید کے تقاضوں کے مطابق، نئے سرے سے مرتب کریں گے۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے انہوں نے 'فقہ القرآن' کے نام سے کام شروع کر دیا اور اس وقت تک اس سلسلے کی چھ جلدیں شائع کرا چکے ہیں، چھٹی جلد اس وقت زیر تبصرہ ہے۔

فقہ القرآن کی اس جلد میں دو اہم مسائل پر بحث کی گئی ہے۔ یہ مسائل شہادت اور عورت کی دیت کے بارے میں ہیں، شہادت کے سلسلے میں، انہوں نے ثابت کیا ہے، کہ اسلام میں اصل معاملہ اسلامی عدالت کو، مقدمہ کے حقائق کے بارے میں اطمینان کرنا ہوتا ہے۔ چاہے اس مقصد کے لئے چار گواہ ہوں یا صرف ایک گواہ ہو۔ اور وہ گواہ چاہے مرد ہو یا عورت (صفحہ ۷۶) اس اصول کی روشنی میں، انہوں نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ عورت کی نصف گواہی کے بارے میں ہمارے ہاں پچھلے دنوں جو بحث چلتی رہی ہے وہ غیر ضروری تھی۔ اس کی تائید میں انہوں نے صدر اوّل سے کوئی انیس مقدمات کی تفصیلات نقل کی ہیں، جن میں صرف ایک عورت کی گواہی پر، عام مقدمات تو کجا، حدود کے مقدمات کے بھی فیصلے کئے گئے تھے۔ (صفحہ ۸۰)

اسی طرح دیت کے بارے میں بھی انہوں نے ثابت کیا ہے کہ اسلام، مرد اور عورت دونوں کی دیت برابر قرار دیتا ہے۔ عورت کی نصف دیت کے بارے میں جو اسلامی فتویٰ پیش کیا جاتا ہے تو اس بارے میں مصنف نے دعوے کیا ہے کہ قرآن و حدیث میں عورت

(اس کا باقی حصہ صفحہ (۱۲) پر ملاحظہ فرمائیں)

ناظم ادارہ طلوعِ اسلام رجسٹرڈ ۲۵-بی گلبرگ II لاہور

محترمی ! برائے مہربانی پرچہ طلوعِ اسلام میں میری طرف سے مندرجہ ذیل وضاحت فرمادیں۔

"بزم ہائے طلوع اسلام اور قرآنی فکر سے وابستہ احباب کی توجہ کے لئے ماہانہ طلوعِ اسلام فروری ۱۹۸۶ء کی اشاعت میں "بزمہائے طلوعِ اسلام توجہ فرمائیں" کے عنوان سے میرے نام سے ایک اعلان شائع ہوا ہے جس میں مجھے ادارہ کا پروپرائیٹر ظاہر کیا گیا ہے۔ اس کا قطعاً یہ مفہوم نہیں کہ میں اس ادارہ کا مالک ہوں کیونکہ طلوعِ اسلام لاہور کسی شخص کی ملکیت نہ کبھی تھی نہ ہوسکتی ہے، یہ ادارہ قرآنی تحریک کو عام کرنے کے لئے ایک رفاہی ادارہ ہے۔ جسے بزرگوارم بابا جیؒ بزمہائے طلوعِ اسلام کے تعاون سے چلاتے تھے۔ اور اب طلوعِ اسلام کی ان بزموں نے اس ادارہ کی رجسٹریشن کروا کر اس کا نظم ونسق چلانے کا انتظام کیا ہے۔ جس سے مجھے پوری طرح اتفاق ہے۔ ۱/۳/۱۹۸۶

منجانب

ڈاکٹر عارف بٹالوی

۴/۴/۸۶

کھلا خط

معزز اراکین سینٹ کے نام

سلام رحمت! آج کل سینٹ میں نفاذ شریعت کا بل زیر غور ہے۔ میں اس بل کے پیش کرنے والے معزز ممبران کے جذبے کی قدر کرتا ہوں کہ وہ اسلامی نظام کے نفاذ کی کوشش میں مصروف ہیں۔ مگر جس شکل میں موجودہ بل کو ایوان میں پیش کیا گیا ہے اگر اسے اسی شکل میں پاس کر دیا گیا تو ملک و قوم ایک ایسے انتشار کا شکار ہو جائے گی جس سے نکلنا بہت مشکل ہو جائے گا۔ افسوس تو یہ ہے کہ اس بل کو تیار کرنے میں مسلمہ قانونی تقاضوں کو ملحوظ نہیں رکھا گیا۔ بل میں کئی ایسے الفاظ اور اصطلاحیں استعمال کی گئی ہیں جن کے معانی اور مفہوم کو متعین نہیں کیا گیا۔ جس وجہ سے ابہام اور انتشار پیدا ہونے کا خطرہ لاحق ہے۔ مثال کے طور پر دفعہ ۲ کی کلاز (ب) میں سنّت کا مفہوم متعین نہیں کیا گیا۔ اس وقت صورت حال یہ ہے سنّت کا مفہوم ہر فرقے کے نزدیک الگ الگ ہے اور عام طور پر سنّت سے مراد احادیث لی جاتی ہیں۔ سنّت کے اسی الگ الگ مفہوم کی وجہ سے ان فرقوں کا تشخص قائم ہے اور اسی وجہ سے وہ آپس میں اختلاف رکھتے ہیں۔ پرسنل لاز میں تو وہ اپنے اپنے اختلافات قائم رکھتے ہوئے ان پہ عمل کرتے ہیں اور ان کے اس اختلاف کو آئینی تحفظ بھی آئین کی دفعہ ۲۲۷ کے تحت دے دیا گیا ہے مگر پبلک لاز کے معاملے میں ان کے اختلافات ایسے شدید ہیں کہ کوئی ایسا ضابطہ قانون نہیں بنایا جا سکتا جو پبلک لاز کے معاملے میں سب فرقوں کے نزدیک متفق علیہ ہو۔ اس بات کا اعتراف تو خود مولانا مودودی صاحب نے بھی کر لیا تھا کہ کتاب و سنّت کی کوئی ایسی تعبیر ممکن نہیں جو پبلک لاز کے معاملے میں حنفیوں، شیعوں اور اہلحدیث کے درمیان متفق علیہ ہو۔"

(ملاحظہ ہو جماعت اسلامی کا ترجمان اخبار ایشیا مورخہ ۲۳ اگست سنہ ۱۹۷۰ء)

اگرچہ مولانا صاحب نے قوم کے سامنے اس اختلاف کا کوئی حل تجویز نہیں کیا۔ مگر میرے سامنے کوئی مصلحت در پیش نہیں۔ اس اختلاف کو اس طرح حل کیا جا سکتا ہے کہ سنّت ...

کی تعبیر اس طرح سے کی جائے کہ سنّت یا حدیث آنحضرتؐ کے روایت شدہ اس طرزِ عمل کو کہا جائیگا جو قرآن کریم کے اصولوں سے متصادم نہ ہو" اس تعبیر پہ تمام مکاتبِ فکر کا اتفاق ہوگا۔

اس کے بعد بل میں دفعہ ۲ کی کلاز (سی) "اجماعِ اُمّہ" کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں مگر یہ واضح نہیں کیا گیا کہ اجماع سے کیا مراد ہے؟ اور اُمّہ کا مفہوم کیا ہے؟ اُمّہ سے مراد آج کی امّتِ مسلمہ ہے؟ یا آج سے ہزار سال پہلے دورِ عباسیہ کی امّت مسلمہ یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کی امّت مسلمہ! اور اسی طرح اجماع سے مراد آج کے اسلامی قانون کے ماہرین اور سکالر ہیں؟ یا ہزار سال پہلے دورِ عباسیہ کے اسلامی قانون کے ماہرین اور سکالرز یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے زمانے کے وہ فیصلے جو اجماع کے طور پہ صادر ہوئے اور وہ کہاں درج ہیں؟ کیا ان میں سے کسی دور کے اجماع کے فیصلوں کو منضبط اور مدوّن کیا گیا ہے؟ قانون کی زبان کبھی مبہم نہیں ہوتی۔ اور اس میں ہر لفظ اور اصطلاح کا ایک متعین مفہوم دیا جاتا ہے تاکہ قانون دان اور عدالتیں اس کے مطابق متنازعہ امور میں کوئی مؤقف اختیار کرسکیں۔

اس کے بعد اسی دفعہ ۲ کی کلاز (ڈی) میں کہا گیا ہے کہ تسلیم شدہ امّت کے مجتہدین کے قیاس اور اجتہاد کی رُو سے مرتب شدہ احکام، شریعت کہلائیں گے۔ اس میں یہ سوال پیدا ہوگا کہ امّت کے تسلیم شدہ مجتہدین کون ہیں؟ آج کی امّتِ مسلمہ کے مجتہدین، یا ہزار سال پہلے کی امّتِ مسلمہ کے مجتہدین یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے مجتہدین، مجتہدین تو ہر زمانے میں رہے ہیں اور رہیں گے۔ جو اپنے زمانے کے مخصوص حالات اور موجودہ واقعات کے بارے میں اپنے اجتہاد سے کام لے کر احکام صادر کرتے رہے ہیں۔ اگر ہزار سال پہلے مجتہدین اپنے زمانے کے مخصوص حالات اور موجودہ مسائل کے بارے میں اجتہاد کرکے احکام وضع کرسکتے تھے تو آج کے مجتہدین بدلے ہوئے حالات کے تقاضوں کے لئے اجتہاد کیوں نہیں کرسکتے؟ اس لئے اجتہاد کو موجودہ زمانے کے قانونی ماہرین اور اسکالرز کے لئے کھلا رکھنا پڑے گا جس میں وہ سابقہ مجتہدین کے فیصلوں کو بھی نظائر کے طور پر پیشِ نظر رکھ سکتے ہیں۔ لیکن اگر آپ اجتہاد کے دروازے بند کرکے اس پہ اصرار کریں گے کہ آج سے ہزار سال پہلے فقہاء نے اجتہادی فیصلوں سے جو احکام مدوّن کر دیئے ہیں انہیں من و عن نافذ کر دیا جائے تو اس سے بڑی زیادتی اس قوم کے ساتھ اور کوئی نہیں ہوگی۔ اسی طرح اگر ہزار سال پہلے کی مدوّن شدہ فقہ میں بدلے ہوئے حالات کے تقاضوں کے مطابق ضروری ردّوبدل کی اجازت موجودہ دور کے قانونی ماہرین کو نہ دی گئی تو اس سے سوسائٹی میں خلفشار پیدا ہو جائے گا۔ عام طور پہ یہ کہا جاتا ہے کہ اسلام میں شریعت کے ماخذ چار ہیں۔ یعنی قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس۔ مگر میری قرآنی بصیرت میری راہنمائی کرتی ہے کہ اسلام میں قانون کا ماخذ صرف قرآنِ حکیم ہے۔ باقی تین صورتیں صرف قانون کی تدوین یا انکے نفاذ کے طریقے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو وحی کے ذریعے جو راہنمائی دی ہے اس کی آخری اور

مکمل شکل صرف قرآن کے اندر محفوظ ہے جو دنیا کے تمام انسانوں کے لئے آنے والے ہر دور میں روشنی اور ہدایت فراہم کرتی رہے گی۔ قرآن میں صرف چند احکام کے علاوہ اسلامی نہج زندگی کے اصول بتائے گئے ہیں۔ تاکہ ہر دور کے انسان اپنے اپنے زمانے کی ضرورتوں کے مطابق ان اصولوں کی روشنی میں اپنے مسائل کا حل خود متعین کرتے رہیں۔ ان جزئیات کو متعین کرنے کا طریق بھی اللہ تعالیٰ نے خود ہی بتایا ہے۔ کہ اُمت باہمی مشورہ سے اس فریضہ کو انجام دے۔ اس پر سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل فرمایا۔ ان کے بعد ان کے خلفاء نے ایسا ہی کیا۔ غور فرمائیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن ——— کے اصولوں کے تحت ایک حکومت قائم کی تھی۔ ان کے بعد یہی حکومت ان کے جانشینوں کو منتقل ہوئی اور جیسا کہ کوئی حکومت اپنے پیشرو حکومتوں کے فیصلوں سے لاتعلق نہیں رہ سکتی اور ایک ہی انداز کی حکومت اگر مسلسل قائم رہے تو اس میں سابقہ حکومتوں کے فیصلوں کو قائم رکھا جاتا ہے اور سابقہ حکومتوں کے فیصلوں کو قائم رکھا جاتا ہے اور سابقہ حکومتوں کے فیصلوں کا احترام کیا جاتا ہے یہی انداز رسول اللہؐ کے خلفاء کے زمانے میں نظر آتا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ حضورؐ کے جانشین ہوئے تو انہوں نے اعلان کیا کہ میں سنتِ رسولؐ کی اتباع کروں گا۔ اور جب حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے فرمایا کہ میں سنّت رسولؐ اور سنتِ ابوبکرؓ کا اتباع کروں گا۔ اب دیکھنا یہ ہے اس کے بعد انہوں نے کسی سابقہ فیصلے میں تبدیلی کی تاریخ میں ہمیں کئی ایسے واقعات ملتے ہیں کہ انہوں نے سابقہ دور کے بعض فیصلوں میں حالات کے مطابق ضروری تبدیلیاں کیں۔ اس طرح یہ سلسلہ ماضی سے بھی وابستہ رہا اور حال کے تقاضوں کا بھی ساتھ دیتا رہا۔ اگر اس انداز کی حکومت خلفائے راشدین کے بعد بھی قائم رہتی اور یہ سلسلہ تسلسل کے ساتھ آج تک قائم رہتا تو آج ہم جس الجھن میں گرفتار ہیں وہ بالکل نہ ہوتی مگر یہ تاریخ کا ایک المیہ ہے کہ ایسا نہ ہو سکا۔ دین مخصوص تصورات، مخصوص طرزِ عبادت اور چند عقائد کا نام نہیں۔ دین تو عملی زندگی کے مسائل کا حل پیش کرنے کے لئے آیا تھا۔ ایک متحرک اور زندہ قوم جو تسلسلِ حیات چاہتی ہے وہ اپنے ماضی سے وابستہ ضرور رہنا چاہتی ہے۔ مگر ماضی کی زنجیروں میں جکڑے رہنا کبھی گوارا نہیں کر سکتی۔ ماضی سے وابستگی سے مراد یہ ہے ہم حضورؐ کے طرزِ عمل کو راہنما بنائیں۔ خلفائے راشدین کے تجربوں سے مستفید ہوں۔ اُمت کے مجتہدین کے اجتہاد کو بطور نظیر سامنے رکھیں۔ سابقہ دور کے فقہاء کے استدلال اور آراء کو پیشِ نظر رکھیں اور ان کی روشنی میں اپنے مسائل کا حل دریافت کریں۔ مگر اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں جہاں زمانے کے تقاضے کسی تبدیلی کے متقاضی ہوں وہ تبدیلی بھی روا نہ رکھی جائے۔ غیر متبدل صرف خدا کی کتاب ہے اور اس کی روشنی میں حضور رسالتمآبؐ نے جس طرح عمل کیا اُسی کو سنّت کہتے ہیں اور حضورؐ کی اسی سنّت کی اتباع خلفائے راشدینؓ کرتے رہے۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں جب اسلامی

فتوحات کا سلسلہ بڑھا۔ دوسری قوموں سے ربط و ضبط بڑھا تو کئی نئے فیصلے کرنے پڑے اور کئی ایک سابقہ فیصلوں میں ترمیمات کی گئیں۔ اس انداز کی حکومت میں قرآن، سنّت، اجماع اور قیاس اپنے اپنے مقام پر رہتے ہیں۔ اس میں نہ کوئی الجھن پیش آتی ہے اور نہ فرقہ بندی کی گنجائش باقی رہتی ہے۔ سب کی راہنمائی کے لئے کتاب اللہ اور اس کے نفاذ کی نظیریں سنّت، اجماع و قیاس۔ اور یہی مفہوم حضرت عمرؓ کے اس اعلان کا ہے جس میں انہوں نے فرمایا تھا کہ حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہِ۔ (میرے اللہ کی کتاب کافی ہے۔) ان معروضات کے بعد میں اس بل کی دیگر دفعات کی طرف آتا ہوں:۔

دفعہ (۳) بل کی دفعہ (۳) میں کہا گیا ہے کہ پارلیمنٹ کوئی ایسا قانون نہیں بنا سکے گی جو شریعت کے خلاف ہو۔ اس دفعہ کو بل میں لانے کی قطعاً ضرورت نہ تھی۔

پاکستان کے آئین میں اس امر کی ضمانت دی گئی ہے کہ ملک میں کوئی قانون قرآن و سنّت کے منافی نہیں ہوگا اور اگر کوئی ایسا قانون موجود ہو تو اسے فیڈرل شریعت کورٹ میں چیلنج کیا جا سکے گا۔ اس ضمانت کے بعد اس دفعہ کو بل میں رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں رہتی۔ پارلیمنٹ خود ہی کوئی ایسا بل پاس نہیں کر سکے گی جو قرآن و سنّت کے منافی ہو۔ اس لئے اس دفعہ کو غیر ضروری ہونے کی وجہ سے بل سے خارج کر دیا جائے۔

دفعہ (۴):۔ بل کی دفعہ ۴ میں کہا گیا ہے کہ تمام عدالتیں مقدمات اور دیگر معاملات کے فیصلے شریعت کے مطابق کرنے کی پابند ہوں گی۔ بل کی اس شق کی وجہ سے ملک کے قانونی نظام میں عجیب قسم کا خلفشار پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ اس وقت ملک میں جتنے قوانین نافذ ہیں عدالتیں ان کے مطابق فیصلے کرتی ہیں۔ ان قوانین کے بارے میں فیڈرل شریعت کورٹ کو یہ اختیار حاصل ہے کہ اگر ان میں کوئی قانون قرآن و سنّت کے منافی ہو تو اسے ختم کرنے کی سفارش کر دے۔ کچھ قوانین ایسے بھی ہیں جو آئین کی رُو سے فیڈرل شریعت کورٹ کے دائرہ اختیار سے باہر رکھے گئے ہیں۔ اور عدالتیں ان کے مطابق فیصلے کرتی ہیں۔ ملک میں اس وقت جس قدر قوانین نافذ ہیں وہ بالکل واضح ہیں۔ مگر شریعت کے مبینہ قوانین نہ تو واضح ہیں اور نہ ہی کسی مستند مدون شکل میں موجود ہیں جن سے وکلاء یا عدالتیں استفادہ کر سکیں۔ اس سے ملک ایک عجیب قسم کے قانونی خلفشار میں مبتلا ہو جائے گا۔ اس لئے ملک کے قانونی نظام اور نظام عدل کو اسی طرح برقرار رہنے دیا جائے جیسے کہ وہ چل رہا ہے۔ جب قوانین قرآن و سنّت کی روشنی میں پرکھ کر ان میں ضروری ترمیمات مروجہ طریقوں سے کر دی جائیں گی تو وہی قوانین شریعت کے قوانین بن جائیں گے۔ اس لئے اس دفعہ کو بھی بل سے نکال دیا جائے۔

دفعہ (۵) بل کی دفعہ ۵ پاکستان کے آئین سے متصادم ہے۔ آئین کے آرٹیکل ۲۰۳ — B کی کلاز (c) کے مطابق فیڈرل شریعت کورٹ کا اختیار سماعت مخصوص قوانین پر ہوتا ہے۔ یہ بل جو آئین کے تحت ذیلی قانون ہے آئین کے خلاف نہ ایوان میں پیش کیا جا سکتا ہے اور نہ پاس

کیا جاسکتا ہے۔ اس لئے اس دفعہ کو آئین کے خلاف ہونے کے باعث بل سے نکال دیا جائے۔
دفعہ ۶، ۷۔ بل کی وضاحت ۶، ۷ بھی آئینی اختیارات سے متعلق ہیں۔ آئین کے تحت صدر اور وزیراعظم کو اختیارات حاصل ہیں جنہیں وہ آئین اور قانون کے مطابق استعمال کر سکتے ہیں۔ اسی طرح انہیں کچھ آئینی تحفظات حاصل ہیں جنہیں آئین میں ترمیم کے ذریعے ہی واپس لیا جاسکتا ہے کسی (SUBORLINATE LEGISLCTION) کے ذریعے واپس نہیں لیا جاسکتا۔ اگر کسی مروجہ قانون میں عمال حکومت کو کوئی ایسے اختیارات حاصل ہیں تو ان قوانین میں ترمیم کا بل پیش کیا جاسکتا۔ تاکہ ان اختیارات کو شریعت کے مطابق بنایا جا سکے۔ اس لئے یہ دفعات بھی غیر ضروری ہیں اور واپس لی جائیں۔

دفعہ ۹ دفعہ ۹ سے مجھے کلّی اتفاق ہے۔

دفعہ ۱۱، علماء میں سے کوئی اگر ہمارے ملک کے قانونی نظام کے معیار پر پورے اتریں تو انہیں جج بنا دینے میں کوئی حرج نہیں۔ اور جس طرح دیگر ججوں اور مجسٹریٹوں کی تربیت کے انتظامات ہیں اسی طرح ان کی ٹریننگ کا بھی بندوبست ہونا چاہیئے۔

دفعہ ۱۲۔ بل کی دفعہ ۱۲ میں کہا گیا ہے کہ قرآن وسنّت کی وہ تعبیر قابلِ قبول ہو گی جو اہل بیت عظام، حضورؐ کے صحابہ، مسلّمہ فقہائے امّت اور شریعت کے مسلمہ اصولوں کے مطابق ہو۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس دفعہ کے ذریعے اسلام کو ایک جامد مذہب بنانے کی کوشش کی گئی ہے اس سے بڑھ کر زیادتی اسلام کے ساتھ اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ یہ دفعہ تقلید اور فرقہ پرستی کی اصل روح ہے۔ اور قرآن وسنّت کے مزاج کے منافی ہے۔ جن بلند ہستیوں سے منسوب قرآن وسنّت کی تعبیر کو ہمیشہ کے لئے حرفِ آخر بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ خود ان بزرگانِ دین نے کبھی اپنی بات کو حرفِ آخر نہیں کہا۔ قرآن خدا کا کلام اور خدا کا علم ہے۔ جس حد تک اُس نے انسانوں کے لئے دیا ہے۔ نبی کے بغیر کوئی شخص اس علم کا مکمل احاطہ کر لینے کا دعویدار نہیں ہو سکتا۔ قرآن میں کچھ متعیّن قوانین ہیں جو بالکل واضح اور بیّن ہیں۔ ان کی کوئی دوسری تعبیر ممکن ہی نہیں۔ اور ان پر کسی کا کوئی اختلاف بھی نہیں۔ اس کے علاوہ نظامِ زندگی کے اصول بتائے گئے ہیں۔ ان کے مطابق سب سے پہلے رسول اللہؐ نے اپنی زندگی میں عمل فرمایا۔ اسی کو سنّت رسولؐ کہتے ہیں۔ ان کے بعد ان کے خلفاء نے اس پر عمل کیا۔ مگر یہ سلسلہ ایک خاص دَور کے بعد آگے نہ بڑھ سکا۔ چنانچہ ملّت کی گاڑی اصلی سمت سے ہٹ کر دوسری سمت روانہ ہو گئی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملّت زوال اور انحطاط کا شکار ہو گئی۔ اور اس انحطاط اور زوال کے زمانے میں اسلام پر کیا گذری؟ یہ ایک داستان ہے الم انگیز اور حدیث ہے جگر خراش۔ جس کی تفصیل میں جانے کا یہ موقع نہیں۔ صرف اتنا بتا دوں کہ اِیَّاکَ نَعْبُدُ (اے اللہ ہم تیرے ہی احکام کی پابندی کرتے ہیں) کے معنے ہوں گے (اے اللہ ہم تیری ہی

غلامی اور محکومی کے معنوں
ستش کرتے ہیں) عبد کا لفظ قرآن میں جہاں کہیں آیا ہے۔ غلامی اور محکومی کے معنوں
آیا ہے۔ غلام یا محکوم اپنے آقا کے احکام کی پابندی کرتا ہے اسی لئے اس کو عبد
کہتے ہیں۔ مگر ہم کو تو ورثے میں عبادت کا مفہوم پرستش ہی ملا ہے۔ اور ہمارے علماء
حضرات کا اصرار ہے کہ ہم اسی تعبیر کو حرفِ آخر تصوّر کریں جو ہم تک اپنے اکابرین کے ذریعے
پہنچی ہے۔ اسلامی نظام کے سمجھنے کے لئے یہ ضروری ہے ہم متعین طور پر سمجھیں کہ اسلام کیا
ہے۔ اگر یہ بات سمجھ میں آجائے تو اسلامی نظام، اسلامی مملکت۔ اسلامی قوانین اور اسلامی
شریعت سب کچھ ہماری سمجھ میں آجائیں گے۔ مجھ سے اگر کوئی پوچھے کہ اسلام کیا ہے؟ تو
اس کا جواب تو خدا نے اپنی کتاب میں چار لفظوں میں دے دیا ہے۔

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ

(جو لوگ اپنے معاملات کے فیصلے کتاب اللہ کے مطابق نہیں کرتے انہی کو کافر کہا جاتا ہے۔)
لہٰذا اسلام نام ہے کاروبارِ حیات کو قرآن مجید کے مطابق سرانجام دینے کا۔ اور قرآن ایک واضح کتاب
ہے۔ اللہ نے قرآن کو نور کہا ہے۔ نور روشنی کو کہتے ہیں اور روشنی اپنے آپ کو دکھانے کے
لئے کسی خارجی روشنی کی محتاج نہیں ہوتی۔ اس میں ہر بات بڑی وضاحت کے ساتھ لکھ دی گئی ہے
تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ۔ (ہر بات کو نکھار کر بیان کرنے والی کتاب) اور قرآن کو نازل کرنے والے
خدا نے کہہ دیا ہے کہ اِنَّا عَلَيْنَا بَيَانَهٗ۔ (اس کی وضاحت ہمارے ذمہ ہے) چنانچہ تصریف
آیات کے ذریعے یعنی ایک ہی قسم کے احکام کو بار بار دہرا کر بیان کرنے کے اسلوب میں ان احکام
کے تمام پہلوؤں کو اجاگر کیا گیا ہے۔ اور پھر یہ بھی کہہ دیا کہ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ۔
(اور قرآن ہم نے نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان بنایا ہے) اور اس کے لئے قرآن میں غور و فکر
اور تدبّر کرنے کی بار بار تاکید کی۔ اگر ہم خود ہی اپنی عقل و فکر کے چراغ گل کر دیں اور قرآن کو سمجھ
کر پڑھنے کی بجائے بغیر سمجھے اس کی تلاوت کو ہی کافی سمجھ لیں۔ اور اس کے جو معانی اور مطالب
کسی سابقہ دور میں جس کی سمجھ میں جیسے آئے انہیں کو حرفِ آخر تصوّر کر لیا جائے کیونکہ روایت سازی
کی روش نے ان معانی کو کسی بلند اور بزرگ ہستی کی طرف منسوب کر دیا تھا۔ تو اس سے جو نقشہ ابھرتا
ہے کیا ہم اسے دنیا کی امامت کے لئے پیش کر سکتے ہیں؟ ختم نبوّت کی تو غایت ہی یہ تھی کہ
باب نبوّت کو بند کر کے ذہن انسانی کی کھڑکیاں کھول دی جائیں۔ اور اسی لئے کہا کہ سَنُرِيْهِمْ
اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ۔ (کہ ہم مستقبل میں
دکھاتے چلے جائیں گے اپنی نشانیاں آفاقی کائنات اور انسانی دنیا میں تا آنکہ ان پر ظاہر ہو جائیگا
کہ قرآن نے جو کچھ کہا تھا وہ درست تھا) یہ مستقبل میں قرآنی حقائق کی شہادت حاصل ہونا زمانے
کی علمی سطح کی بلندی اور غور و فکر اور تدبّر سے ہی ممکن ہو سکتا ہے۔ یہ موضوع تو جس قدر اہم
ہے اسی قدر طویل بحث و فکر کا متقاضی ہے۔ میرے لئے یہ ممکن نہیں اس گشتی مراسلہ کے ذریعے

ہیں اُس کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈال سکوں۔ میری صرف اتنی گذارش ہے کہ امت کو جمود اور تعطل سے نکالنے کے لئے اس قسم کی قانون سازی سے پرہیز کیا جائے۔ میں نے اس بل کی تمام دفعات پر اپنی گذارشات پیش کر دی ہیں۔ میرے نزدیک یہ بل غیر ضروری اور مختلف پیچیدگیوں کا باعث بن جائے گا۔ اس لئے اس بل کے معزز محرکین سے استدعا کی جائے کہ جب آئین میں اس بات کی ضمانت فراہم کر دی گئی ہے کہ تمام قوانین کو اسلامی بنایا جائے گا تو اس بل کے لانے کی کیا ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟ اور اب اگر اس بل کو اسی شکل میں پاس کر دیا گیا تو ؎

حذر اے چیرہ دستاں سخت ہیں فطرت کی تعزیریں!

وَمَا علینا الا البلاغ

غلام مصطفےٰ اعوان ایڈووکیٹ ایبٹ آباد